دو سیر دھان

(ملیالم کا بہترین ناول)

مصنّف

تکشی شوشنکر پلّے

مترجم

ہنسراج رہبر

ساہتیہ اکادمی، دہلی

ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی
کے لئے
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
نے شائع کی

پہلی بار
فروری ۱۹۵۸ء
۱۰۰۰

قیمت: دو روپے پچاس نئے پیسے

یونین پرنٹنگ پریس، دہلی

پیش لفظ

ملیالم زبان کا یہ ناول کھیت مزدوروں کی زندگی سے متعلق ہے۔ کیرالا کے مشہور ادیب تکشی شوشنکر پلّے اس ناول کے مصنف ہیں۔ اُن کا نقطۂ نظر بہت ہی صحت مند ہے۔ وہ کسانوں اور کھیت مزدوروں کے درمیان سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے اُنھوں نے اس زندگی کو بہت ہی قریب سے دیکھا ہے۔ اُنھیں کھیت مزدوروں سے نہ صرف ہمدردی ہے بلکہ اُن کی محنت اور شرافت میں اُنھیں پورا یقین ہے۔ آزادی کے بعد ملک میں بہت کچھ بدلا ہے لیکن کھیت مزدور کی زندگی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ اُسے جو دو سیر دھان مزدوری ملتی ہے وہ کافی نہیں ہے۔ وہ خون پسینہ ایک کرکے فصل اُگاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ خود فاقے اور افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور رہے۔ شوشنکر پلّے سمجھتے ہیں کہ جب تک کھیت مزدوروں کا خون چوسنے والا زمینداری نظام ختم نہیں ہوگا، اُنھیں کسی طرح کی راحت نصیب نہیں ہوگی۔

کیرالا میں ترِوتانکور کے درمیانی علاقہ کا نام کٹناڈ ہے یہ وہ علاقہ

ہے جہاں بیمپ ناڈ جھیل میں پمپا ندی گرتی ہے ۔ ایک سو مربع میل تک دلدل ہی دلدل ہے جس طرح پنجاب میں لائل پور کو گندم کا ذخیرہ کہا جاتا تھا اُسی طرح جنوب میں اس علاقہ کو دھان کا ذخیرہ کہا جاتا ہے۔ محنت کش انسانوں نے جھیل کے اس حصہ میں مٹی ڈال کر زمین اُوپر اُٹھائی اور اُسے رہنے لائق بنایا۔ زمین کا ایک ایک ٹکڑا ایک جزیرہ نظر آتا ہے ۔ زمین کے ان ٹکڑوں کے چاروں طرف پانی بھرا رہتا ہے لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں۔

اس علاقے میں کاشتکاری بہت ہی مشکل ہے۔ کھیت میں کام کرنے والوں کو سخت سردی میں بھی پانی میں کھڑے رہنا پڑتا ہے۔ کھیتوں کے کے مالک زمیندار یا کسان کہلاتے ہیں "پریا" اور "پلیا" نام کی دو اچھوت قوموں کے مرد اور عورت کھیتوں میں مزدور کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اِن کھیت مزدوروں کی زندگی کیسی ہے اور کھیتوں کے مالک اُن کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہیں اس کی ایک صحیح اور سچی تصویر آپ کو اس ناول میں ملے گی۔

مصنف نے اپنی بات کہنے کے لئے بہت ہی سادہ اسلوب اپنایا ہے۔ لیکن اس کا ایک چھوٹا سا اور سیدھا سادہ فقرہ قاری کو بارہا چونکا دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہت بڑا پس منظر ہے، مصنف نے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا تراش کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اِن فقروں سے تصویریں اُبھرتی ہیں دیہاتی زندگی کے حقیقی منظر آنکھوں کے

سامنے کھنچ جاتے ہیں۔ یہ اس لئے ممکن ہو سکا ہے کہ مصنف نے اس زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے جسے وہ بیان کر رہا ہے۔ حقیقت بذاتِ خود حسین ہے اُسے حسین بنانے کے لئے کسی قسم کی زیبائش اور لفاظی درکار نہیں ہوتی۔

ساہتیہ اکیڈمی کا یہ کام قابلِ تعریف ہے۔ ہر زبان کے اچھے ادب کے دوسری زبانوں میں ترجمے ہو جانے سے ہمیں ملک کی مجموعی ادبی ترقی کا اندازہ ہو سکے گا۔ ایک زبان کے ادیبوں کا دوسری زبانوں کے ادیبوں سے ربط ضبط بڑھے گا۔ وہ ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھیں گے، اور ایک ہی گھروندے میں بند رہنے سے جو غلط تصوّرات پیدا ہو جاتے ہیں وہ ٹوٹیں گے۔

ہنس راج رہبر

اکبر منزل
اُردو بازار۔ دہلی

دیباچہ

تکشی کا " دو سیر دھان " ناول جو اب ساہتیہ ایکاڈمی کے زیرِ اہتمام اُردو میں شائع ہو رہا ہے۔ ملیالم زبان کا کلاسک ہے۔ اس میں کٹناٹ کے علاقہ میں کھیت مزدوروں کی زندگی بیان کی گئی ہے۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب جاگیردارانہ رشتے ٹوٹ گئے تھے اور کھیتوں میں اُجرت پر کام ہونے لگا تھا۔ کیرالا کے اس علاقے میں کھیتی کے کام کے لئے ایک خاص قسم کی تربیت درکار رہی کیونکہ کھیت پانی میں ڈوبے رہتے ہیں اس لئے بند باندھنے پڑتے ہیں اور ہر ایک موسم میں کھیتوں میں سے پانی نکالنا پڑتا ہے۔ مزدوری کا کام نہ صرف سخت اور غیر صحت مند ہے بلکہ خاص ڈھنگ کا ہے جو سماج کے کچھ طبقے کرتے ہیں۔ ماضی میں یہ لوگ زمینداروں کے مزارع ہوتے تھے۔ پچھلے زمانے میں زمینداروں اور مزارعوں میں ایک روایتی رشتہ ہوتا تھا جس میں دونوں طرف کے حقوق ہوتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں جب سرمایہ دارانہ ڈھنگ سے کھیتی ہونے لگی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹ گیا ہے لیکن کھیت مزدور کو جو آقا

سے اپنی پرانی وفاداری کو نباہنا چاہتا ہے، نئے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ اقتصادیات اس کی مزدوری قطعی طور پر مقرر کر دیتی ہے، اور اُس کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔ مصنف نے اس ناول میں اسی عبوری دور کی کہانی بیان کی ہے۔

ناول کا ہیرو ایک سمجھ دار کھیت مزدور ہے۔ اس کے دل میں جوانی کا جوش ہے وہ اپنے کھیت، اپنے کام اور اپنے آقا کا وفادار ہے لیکن آہستہ آہستہ اس کے پرانے تصورات ٹوٹتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اُسے کئی طاقتوں کا احساس ہوتا ہے وہ سماجی نظام کے ظلم اور اقتصادی رشتوں کی بے انصافی کو سمجھنے لگتا ہے اور جنگ کے فوراً بعد اس علاقہ میں جو سیاسی، سماجی اور اقتصادی جدوجہد شروع ہوتی ہے وہ اُس میں حصہ لینے لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اُسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یوں کہانی ٹریجڈی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

یہ بہت زوردار ناول ہے اس کے کردار حقیقی زندگی سے لئے گئے ہیں اور کہانی کی ٹریجڈی ناگزیر واقعات سے رونما ہوتی ہے مصنف نے جس طبقے کی زندگی کو ناول کا موضوع بنایا ہے وہ اُس سے پوری طرح واقف ہے اور اُن سے دلی ہمدردی ہے اور خود ان کی اپنی بول چال کی زبان استعمال کر کے اُن کی سماجی زندگی کا ماحول پیدا کیا ہے۔

اپنے ایک بعد کے اور زیادہ کامیاب ناول "چمین" میں تکشی نے ساحلی علاقہ کے مچھیاروں کی زندگی بیان کی ہے اور یہ ناول طبقاتی

کشمکش سے مبترا ہے لیکن "دو سیر دھان" میں طبقاتی کشمکش اور سیاسی خیالات کا اظہار بھی ہوا ہے جن سے ہمیں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ یہی اس ناول کی خوبی اور حقیقت نگاری ہے۔

اگرچہ ملیالم ادب میں بحیثیت ناول نگار تکشی نے نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے لیکن افسانہ نگار کے طور پر وہ زیادہ مشہور رہیں۔ بلا شبہ اُنھوں نے افسانہ نگاری میں بہترین صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے اور اُن کے افسانے بہت مقبول ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اکاڈمی اُن کے منتخب افسانوں کا ایک مجموعہ شائع کرے گی جو لاثانی ہیں اور میرا خیال ہے کہ کسی بھی زبان کے بہترین افسانوں کے مقابلہ میں رکھے جا سکتے ہیں۔

کے۔ ایم۔ پانیکر

دو سیر دھان

اُس دن ایٹیلا گھر میں لڑکی کو دیکھنے کے لئے پھر کوئی آدمی آیا۔ اس مہینے میں وہ چوتھا آدمی تھا۔ اس مرتبہ جو شخص آیا وہ نیلپے رور کا باشندہ تھا۔

پہلا آدمی لڑکی کے باپ کے مطالبے کے مطابق دھان اور روپیہ دینے کو تیار تھا لیکن لڑکی کو لڑکا ہی پسند نہیں آیا۔

اُس کے بعد آنے والے گردہ کے لوگ اس لئے روٹھ کر چلے گئے کہ دھان اور روپے کے بارے میں لڑکی کے باپ کا مطالبہ عام رواج سے بہت زیادہ تھا۔ اسی بات کو لے کر طرفین میں پخ پخ ہو گئی۔ مگر لڑکے نے کہا کہ اگر وہ شادی کرے گا تو اسی لڑکی سے ورنہ وہ شادی ہی نہیں کرے گا۔ اُدھر سُننے میں آیا کہ لڑکے کے باپ نے کہا کہ اُسے بیٹے کا کنوارا رہ جانا منظور ہے، مگر اُس لڑکی سے ہرگز شادی نہیں ہوگی۔ جب یہ بات لڑکی کے باپ کے کانوں تک پہنچی تو اُس نے لڑکے کے باپ کو خوب پھٹکارا۔

تیسرا آدمی اس لئے لوٹ گیا کہ اُسے لڑکی کے باپ کا مطالبہ پورا

کرنے کی توفیق ہی نہیں تھی۔ اس کے بعد چوتھا آیا۔

چرِدتا کے لئے لوگ یوں دوڑتے تھے تو اس میں تعجب ہی کیا تھا۔ دیکھنے میں وہ حسین، سڈول اور تندرست معلوم ہوتی تھی۔ کام بھی وہ خوب کرتی تھی۔

بونے جوتنے اور کاٹنے یا کھیتی باڑی سے متعلق کوئی کام ہو، اس میں کوئی بھی دوسری لڑکی اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ کٹائی کے دنوں میں جب وہ درانتی لے کر صبح کھیت میں جاتی تو کاٹ کاٹ کر انبار لگا دیتی اور شام ہی کو دم لیتی۔

کھیتی کے کام ہی میں نہیں گھر گرہستی کے کام میں بھی وہ بہت سگھڑ تھی۔ چنانچہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس کے ساتھ اس کی شادی ہوگی اس کے گھر میں فاقوں کی نوبت کبھی نہ آئے گی۔

چرِدتا کے لئے جب لڑکے پر لڑکے آنے لگے تب اس کے باپ نے سمجھا کہ اُس کی بیٹی کی بڑی پوچھ ہو رہی ہے اس کے لئے وہ جتنا بھی مانگے مل ہی جائے گا۔ اِس لئے اس کا مطالبہ اور بھی بڑھنے لگا۔

ایک اور بات تھی۔ لڑکی کے چلے جانے سے گھر کی حالت بگڑ جائے گی۔ یہ سوچ کر کالی پرئن[1] (لڑکی کا باپ) بیٹی کی شادی کی بات ٹالتا گیا۔ کنجانی (لڑکی کی ماں) کو یہ بہت بُرا لگتا تھا کہ جو بھی شخص آتا ہے بڑھا

---

[1] ایک اچھوت طبقہ۔ جو کھیتوں میں کام کرتا ہے۔ صیغہ جمع پرئر اور تانیث پرئی۔

اسے لوٹا دیتا ہے۔ ہر مرتبہ وہ سوچتی کہ آئندہ شادی ہو جائے گی۔ لیکن آئندہ بھی بات چیت کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا۔

جب نیلیپے دور والے بھی روٹھ کر چلے گئے تب کنجالی کے صبر کا باندھ ٹوٹ گیا۔ اُس نے کہا: "یہ کیسی بات ہے؟ جو بھی آتا ہے اس کو لوٹا دیتے ہو۔ آخر کیا خیال ہے آپ کا، یہ لڑکی کیا یونہی بیٹھی رہے گی؟"

کالی گھر کا مالک ہی تھا۔ اُس نے اپنا حق اور اختیار جتایا: "کیا کرنا ہے، یہ مجھے معلوم ہے۔"

کنجالی کو غصہ آ گیا اُس نے تنک کر پوچھا: "کیا معلوم ہے؟"

"سُن، لڑکی کے لئے حساب کر کے پورا روپیہ اور دھان وصول کئے بنا اِسے میں کسی کو دینے والا نہیں۔ جو میرا مطالبہ پورا کرے گا اُسی کے ساتھ لڑکی کو بیاہ دوں گا۔ اس میں کسی کو نقصان تھوڑی ہی رہے گا۔"

"مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔ سنو۔ بیٹی ہی کما کر کھلاتی رہے گی یہ سوچ کر بیٹھے ہو کیا؟"

کالی پرٹن بیوی کی بات سُن کر آپے سے باہر ہو گیا اور اُسے مارنے کے لئے اس نے ایک پیڑھا اُٹھایا۔ کنجالی پیچھے ہٹ گئی۔ اُس روز میاں بیوی میں کافی جھڑپ ہو گئی۔

کالی پرٹن تاڑ کی بنی ہوئی ایک تھیلی میں دو سیر دھان لے کر باہر گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد لوٹ آیا۔ تب دونوں کے درمیان جھگڑا اور بھی طول کھینچ گیا۔ اسے کنجالی کے خلاف بہت کچھ کہنا تھا۔

"یوں بھی چیانترا کے پرش سب کے سب بے ایمان ہوتے ہیں۔"

کالی نے سنایا۔

اپنے میکے کی برائی چپ چاپ سن لینا کنجالی کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اور اس نے برجستہ کہا۔ "تاڑی خانے سے آکر اس قسم کی باتیں کروگے تو......"

اب جھگڑے نے اور بھی زور پکڑا۔

چِردتا بیچ ہی میں بول اُٹھی۔ "تم ذرا چپ نہیں رہ سکتیں اماں۔ باپو کو جو چاہے کہنے دو۔"

پھر اس نے دونوں کو روکتے ہوئے کہا۔ "میری بات کو لے کر تم لوگ آپس میں مت جھگڑو۔"

اگلے دن بھی شادی کی تجویز لے کر لوگ آئے۔ لڑکا تھا اٹو کیٹو گھرانے کے بے لُتا کا بیٹا کورن۔

کورن تین چار افراد کو اپنے ہمراہ لایا تھا۔ کالی پرن بنا کہے ہی سمجھ گیا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ اور متین ہو کر بیٹھ گیا۔ سب لوگ بنا کچھ بولے کچھ دیر تک یونہی کھڑے رہے۔ سب سے پیچھے کھڑے ہوئے کورن کی نگاہ جھونپڑی کے اندر کی جانب گئی۔ اس نے دیکھا چِردتا چولہے کے پاس سے اُٹھ کر دروازے کے قریب آکر کھڑی ہو گئی ہے۔ کورن کو محسوس ہوا جیسے وہ ذرا مسکرائی ہو۔

مہمانوں میں سے ایک نے کہا۔ "باپا، جانتے نہیں ہو؟"

"اوہو - جانتا ہوں - جانتا ہوں" سنجیدگی سے کالی نے کہا -
کسی دوسرے نے پوچھا "کیا ماں یہاں نہیں ہے؟"
"ہوں!"
"بیٹی چمروتا؟"
"ہوں!"

اب کالی نے سوچا کہ مہمانوں کی تھوڑی خاطر تواضع کرنا ضروری ہے - اس نے ایک دو آسن بچھا کر کہا: "بیٹھو، بیٹھو - ایسے کھڑے کیوں ہو!"
سب بیٹھ گئے - کالی نے جھونپڑے کے اندر کی طرف نظر دوڑا کر پکارا -
"او چمروتا!"
"کیا ہے؟"
"پان کی پوٹلی لے آ بیٹی!" اور مہمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :-
"یہاں اس میں بڑا خرچ ہوتا ہے - پانچ چھ آدمی ہر روز لڑکی کو دیکھنے آتے ہیں - سب کو کم سے کم پان سپاری تو دینے ہی چاہئیں نا؟"
مہمانوں میں سے ایک نے کہا - "ہمارے پاس ہے - آپ تکلیف نہ کریں"

چمروتا پان سپاری کی پوٹلی لے کر آئی - اس وقت اس کا چہرہ شرم سے لال ہو رہا تھا - اچانک چمروتا اور کورن کی آنکھیں چار ہوئیں لیکن کسی کا دھیان اس طرف نہیں گیا -
"یہ کون؟ موسا؟ میں نے سوچا کوئی اور ہوگا"

اس بات کا جواب موسا کے بدلے کورن ہی نے دیا۔ "آتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا۔ ماں کہاں ہے؟"

"اماں پنلیکلم گھر گئی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد چرو دتا نے پوچھا: "موسا جی، آپ اتنے کمزور کیوں نظر آتے ہیں؟"

"اکال کے دن ہیں نا بیٹی۔"

چرو دتا جب اندر چلی گئی تب کالی پرتن نے مہمانوں کے ساتھ بات چیت شروع کی۔ جب کورن کے ساتھ چرو دتا کی سگائی کا مسئلہ پیش ہوا تب وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اور ذرا توقف کے بعد بولا: "میں کہتا ہوں تو جھگڑا ہوتا ہے۔ کسی کو میری بات اچھی نہیں لگتی۔"

"کیوں بابا؟"

"بات ایسی ہی ہے، پورا پورا پیسہ لئے بغیر میں اپنی لڑکی کسی کو بھی نہیں دوں گا۔"

ایک نے کہا۔ "ہم بھی لڑکی کے لئے پیسے بنا دیئے ہی لڑکی لے جانے کے لئے نہیں آئے۔"

"وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ پہلے کی طرح اب لڑکی نہیں ملے گی۔"

"آخر کوئی حد تو ہوگی پیسے لینے کی؟" ایک نے دریافت کیا۔

"آپ لوگ وہی حد طے کرنے کے لئے آئے ہیں کیا؟"

کورن کے دل میں یہ ڈر پیدا ہوا کہ اس کے گروہ کے لوگ کالی سے

جھگڑا کرکے کہیں چل نہ دیں۔ چرَدتا بھی تجسس کی تصویر بنی دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔

کالی اور کورن کا موسا دونوں گرم ہوکر باتیں کرنے ہی والے تھے، کہ کورن بولا۔ ”آپس میں گرم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اور اس نے کالی سے پوچھا: ”بابا، لڑکی کے لئے آپ کتنی رقم چاہتے ہیں؟“

اس کی ہمت دیکھ کر چرَدتا دل ہی دل میں بڑی خوش ہوئی۔ کورن کا یہ سوال اُسے موزوں لگا۔ لیکن کورن کے موسا کو اس کا یوں درمیان میں بولنا ذرا بھی پسند نہیں آیا۔

وہی لڑکی کو دیکھنے آنے والوں کا مکھیا تھا۔ کورن کا لڑکی کے پیسوں کے متعلق بولنا کہاں تک مناسب تھا؟ ایسا ابھی تک کسی نے نہیں کیا تھا۔ وہ بگڑ کر بولا: ”تو تمھیں سب طے کرلو۔ ہم کیوں آئے ہیں؟ ہم جاتے ہیں۔“

وہ اُٹھ گیا۔ کورن تذبذب میں پڑ گیا۔ اس کا موسا جانے لگا۔

کالی نے انھیں سُنا کر کہا۔ ”میری لڑکی چاہتے ہو تو پچیس پنسیری دھان اور پچاس روپے دینے ہوں گے۔“

کورن کا موسا پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کہاں کا نیائے ہے؟ جواب نہ دوں تو میرا پیٹ درد کرتا رہے گا۔ بتاؤ تو اپنے بیاہ میں تم نے کتنا دیا تھا؟“

کالی کا جواب تیار تھا۔ ”اس لڑکی کو چاہتے ہو تو جو مانگتا ہوں وہ

دینا ہی پڑے گا۔"

اتنے بڑے مطالبے سے کورن کو گھبراہٹ ہوئی۔ اُس وقت بھی اس کی آنکھیں چرونتا پر مرکوز تھیں۔ جیسے دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ کہہ دے کہ مطالبہ بہت زیادہ ہے، وہ پورا نہیں کر سکے گا ذرا کم کرنا چاہیئے تو یقیناً کالی لڑکی دینے سے انکار کر دے گا۔ دوسرے یوں خوشامد کرنا اس کی فطرت کے منافی ہے۔ چرونتا کو تو اس سے بھی زیادہ رقم دے کر لے جانے والے مل جائیں گے .... اوہ چرونتا کو پانا اس کی قسمت میں نہیں ہے ..... مایوس ہو کر اس نے پھر چرونتا کی طرف نظر دوڑائی .... وہ مسکرائی۔ گویا اُمید دِلا رہی ہو۔

دل ہی دل میں یہ سوچ کر کہ موسا ناراض ہو تو ہو، اُسے قصوروار ٹھہرائے تو ٹھہرائے، کورن نے کہا ——— "بابا، جو مانگتے ہو میں دوں گا۔ چیت مہینہ ختم ہونے تک لڑکی کو کسی دوسرے کو دینے کا وچن نہ دینا۔"

"جا، بے حیا جا!" اس کا موسا، جو ابھی تک گیا نہیں تھا، بول اُٹھا۔ کورن کے اس بے حیائی کے چلن میں وہ شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کورن کو اگر خود ہی اپنے بیاہ کی بات طے کرنا تھی تو وہ اُسے لایا ہی کیوں تھا۔ موسا کو بڑی تذلیل محسوس ہوئی۔

کالی پرتن، کورن کی شرط ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ

جوان لڑکی کو اس طرح زیادہ دنوں تک گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا۔
"جو میری مانگ پہلے پوری کرے گا، اس کو میں لڑکی دوں گا"
کالی نے اپنا فیصلہ سُنایا۔
پھر بھی چروتا کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں کورن کو یہ اُمید دِلاتی رہیں کہ چیت کے مہینے تک وہ اُس کا انتظار کرے گی۔

۴

کورن اس بات کی خبر لیتا رہا کہ چرِدتا سے شادی کی بات چیت کرنے کون کون آتا ہے۔ کچھ لوگ رضامند ہو کر لوٹ گئے ہیں لیکن شادی کی بات پکی نہیں ہوئی۔

کبھی کبھی اُسے محسوس ہوتا کہ چرِدتا اُسے چاہتی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ اُس دن وہ اس کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر مسکراتی رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اس نے اُس دن جو کچھ کہا تھا چرِدتا اس سب کی محرک تھی۔ دواع ہوتے وقت بھی تو اس نے کچھ اشارہ کیا تھا۔

لیکن اِدھر ایک نئی تشویش پیدا ہو گئی۔ ٹیپکلم کے چاتن نے کنجالی کو متاثر کر لیا۔ کنجالی کی خواہش تھی کہ پیسے خواہ کم ملیں، چرِدتا کی سگائی چاتن ہی سے ہو۔ لیکن چرِدتا نے چاتن کے حق میں یا خلاف کچھ نہیں کہا۔ چاتن عموماً ہر روز وہاں جانے لگا۔

کورن تشویش میں پڑ گیا۔

گذشتہ چیت کی کٹائی میں وہ چوبیس ہزار ہنیسری والے کھیت[1] کی کٹائی میں لگا تھا۔ وہ اور چروتا پاس ہی پاس ٹھہرے تھے۔ کام ختم ہونے تک دونوں نے پاس پاس کے کھیتوں ہی میں کٹائی کی تھی اور کٹائی کے بعد اپنی آنٹی بھی کھلیھان ٹیک میں پاس ہی جمع کی تھی۔

کتنے مسرت افروز دن تھے وہ! آپس میں باتیں کرتے کرتے کٹائی ہوتی تھی۔ چروتا کتنی ہنسوڑ تھی۔ کچھ بھی کہنے پر وہ ہنس پڑتی...... ڈیرے میں جو بھی شاک بھاجی بناتی اُسے بھی چکھنے کو دیتی ......اس کی آنٹیوں میں ایک صفائی ہوتی تھی۔ مزدوری بھی اُسے سب سے زیادہ ملتی تھی۔ اس کے کھیسے سے کورن نے پان لے کر بھی تو کھایا تھا۔

ان ہی دنوں کورن نے اپنے دل میں طے کر لیا تھا کہ وہ چروتا ہی سے شادی کرے گا۔ اس کے ساتھ باتیں کرتے وقت بنا مسکراہٹ کے وہ بات ہی نہیں کر سکتی تھی۔ کورن کے سامنے دلکش، شرمیلا انداز اس کے حسن کو دوبالا کر دیتا تھا ....اس کی گردن میں ایک کالا تل ہے، رخساروں پر ہونٹوں کے دونوں طرف نقطۂ حسن کی طرح گڑھے جیسے نشان ہیں ......ان ہی دنوں باتیں کر کے شادی کی بات طے کر لیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

اس کٹائی میں چاتن بھی تو آیا تھا۔ اب کورن کو لگا کہ انھیں دنوں

---

[1] جس میں چوبیس ہزار ہنیسری بیج ڈالا جاتا ہے۔

چاتن کی نظر بھی چرہ دتا پر پڑنے لگی تھی ۔ کیا چرہ دتا کے گھر روزانہ جا کر وہ اُسے اپنے قابو میں کرے گا ؟ ماں تو اس کی طرفدار ہے ہی . . . . . . چرہ دتا کورن ہی کو چاہتی ہے ۔ اس کا کورن کو یقین تھا ۔ لیکن کیا وہ اپنے باپ کی خواہش کو نظر انداز کر سکتی ہے ؟

پچاس روپے اور پچیس پنسیری دھان ۔ کسی نے لڑکی کے لئے اتنا زیادہ دھن دے کر شادی کی ہو، ایسی بات سُننے میں نہیں آئی تھی ۔ چیت کی کٹائی کے بعد بھی اتنا جمع ہو سکے گا، اس میں شک ہی تھا ۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ جمع ہو جائے گا تو باڑھ اور برسات کے ساون بھادوں میں جب مزدوروں کو کام نہیں ملتا، ان کی کیا حالت ہوگی ؟ ساری کمائی خرچ کر کے شادی کر لینے سے تو اُسے بھی بھوکا رہنا پڑے گا ۔

کسی صورت سے پچاس روپے پچیس پنسیری دھان جمع کرنے پر بھی اُوپرے جو خرچ پڑنے گا وہ الگ ۔ بیوی کے لئے کپڑے، ساس سُسر کے لئے کپڑے، دودھ بھوج، کریوگم (پنچایت) کا چندہ ۔ اس طرح کیا کیا خرچ پڑے گا ؟ یہ سب کہاں سے آئے گا ؟

جیسے بھی ہو اتنا دھن اکٹھا کرنے کا کورن نے تہیہ کر لیا کسی کے یہاں ادہنتی[1]

---

[1] کرایہ پر کام ۔ کسان اپنے کام کے لئے کسی ہریَن اور بلیَن کو دھان اور روپیہ اُدھار دے کر اُسے ایک سال کے قرار پر رکھ لیتے ہیں ۔ ایسے مزدور کو ادہنتی کار کہتے ہیں ۔

میں لگ کر قرض لینے کا اس کا خیال نہیں تھا لیکن اب ایسا کرنا ناگزیر معلوم ہوتا تھا۔ شادی کرنے کے لئے کوئی بھی کسان قرض دینے کو تیار ہو جائے گا، کیونکہ اُسے کام کرنے کے لئے ایک کی جگہ دو دو آدمی مل جاتے ہیں۔

کورن نے اپنے باپ بُلیتاّ سے رائے لی۔ بُلیتاّ رضامند ہو گیا، "تو کہیں بھی جا کر اُدھار لے لے بیٹا! لیکن تمپوران[1] سے ذرا پوچھ لینا۔ اُنھیں کے دانے پانی سے تمھاری پرورش ہوئی ہے۔ بہت زمانے سے ہم اُنھیں کے داس چلے آرہے ہیں۔"

"تو تمپوران ہی سے اُدھار لینا اچھا ہو گا نا؟"

بُلیتاّ کو یہ تجویز پسند آئی۔ اس بوڑھے کو بہت سی پُرانی باتیں اب بھی یاد تھیں۔ بہت سال پہلے جب اُس نے کورن کی ماں سے شادی کی تھی۔ تب بڑے تمپوران زندہ تھے۔ شادی کا خرچ تمپوران نے خود ہی اُٹھایا تھا۔ اس سے بھی پہلے اس کے باپ کی شادی کا بھی سارا خرچ تمپوران نے اُٹھایا تھا۔ اس طرح پشت در پشت ارکلّ تروداٹ[2] اور بُلیتاّ کے خاندان کے درمیان جو تعلق چلا آتا تھا، بوڑھے نے وہ سب کورن کو سُنا یا۔

---

[1] تمپوران۔ آقا۔ راج گھرانے کے لوگ تمپوران کہلاتے ہیں۔ اچھوت ملنے جلنے والے نام نہاد اونچی ذات کے لوگ بھی تمپوران کہلاتے ہیں۔

[2] تروداٹ۔ گھرانا۔ خاندان۔

کورن بھی جب لڑکی لائے تو تمپوران ہی کے خرچ پر لاتے، یہی اس کی آرزو تھی۔ لیکن ارکل تروا ٹے کی وہ پرانی حیثیت اب نہیں رہی کہ خواہش کے مطابق روپیہ اور دھان دے سکے۔ اُن دنوں اُن لوگوں کے پاس بہت زمین اور مکان تھے۔ لیکن اب تو حالت بالکل بدل گئی تھی۔ اب نہ تو وہ سب مکان رہے اور نہ زمین۔ اب کھیت بھی وہ ٹھیکے پر لے کر آباد کرتے تھے۔ جس کے لئے بہت مزدوروں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ پھر بھی اس سے پوچھنے کے بعد ہی کسی دوسری جگہ اوپنی میں لگنا ٹھیک ہوگا، ایسا بُیلتا نے کورن کو سمجھایا۔

کورن ارکل تمپوران کے پاس گیا۔ اس کے ساتھ بُیلتا بھی تھا۔ تمپوران نے کورن کو اجازت دے دی کہ وہ جہاں بھی چاہے کام میں لگ جائے، خود کچھ کرنے کی اُن میں توفیق نہیں ہے۔

کورن سوچنے لگا کہ قرض کہاں مل سکتا ہے؟ کسی بڑے کسان کے یہاں انتظام کرا دینے کے لئے اس نے اپنے موسا سے جا کر کہا۔

"اُسی لڑکی کو لانے کے لئے دھان اور روپیہ لینا ہے؟ تب اس کے لئے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا"۔ موسا نے جواب دیا۔

اس درمیان میں چرُوتا کے گھر میں کئی واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اُن سب کی خبر وقتاً فوقتاً کورن کو بھی ملتی رہتی تھی۔ چرُوتا کے ماں باپ آپس میں جھگڑ بیٹھے۔ کہتے ہیں کالی نے کنجالی کو پیٹا بھی۔ رونا پیٹنا سُن کر پاس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔

کنجالی کی خواہش تھی کہ چر وتا کی شادی چاتن کے ساتھ ہو۔ جیسے بھی ہو، وہ چاتن ہی کے ساتھ شادی کرائے گی۔ اُدھر کالی کی ہٹ نے بھی زور پکڑ لیا۔ کوئی کچھ بھی کہے، لڑکی کے لئے پورا پیسہ لے کر ہی وہ لڑکی دے گا۔ اس معاملہ میں وہ لڑکی کی ماں کی بھی بات نہیں سُنے گا۔

کنجالی نے چاتن سے کہا: ”جہاں سے بھی ہو روپے اور دھان کا انتظام کر دو۔“

چاتن بھی کہیں اونچی لگ کر اُدھار لے کر کام چلانے کی کوشش کرنے لگا۔ چاتن کی سب باتوں کا پتہ کورن کو رہتا تھا اور کورن کی سب کوششوں کے بارے میں چاتن بھی جانتا تھا۔ اس دوڑ میں جو بھی عاشق دھان اور روپیہ لے کر پہلے پہنچے گا، اُسے ہی لڑکی ملے گی، یہی لوگوں کا کہنا تھا۔

لیکن لڑکی کا کیا خیال ہے، یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کسی کو بھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ماں باپ مل کر بیاہ کا فیصلہ کریں گے اور وہ چلی جائے گی۔ بس، اتنی ہی تو بات ہے۔ چاتن نے بھی کبھی یہ نہیں سوچا کہ لڑکی خود کیا چاہتی ہے۔

لیکن کورن کو لڑکی کی پسند ہی کے بارے میں زیادہ فکر رہتی تھی۔ اتنی تکلیف اُٹھا کر دھن اور دھان جمع کرنے کے باوجود اگر چر وتا نے اُسے پسند نہ کیا تو اس حالت میں وہ کیا کرے گا؟ اُس کی مرضی کے خلاف اُسے اِس بندھن میں کیوں باندھا جائے؟ .... نہ، ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ اُسے پسند ہی نہ کرے .... لیکن جب باپ نے ماں

کو پیٹا، تب اُس نے دل کی بات کیوں نہیں کہہ دی۔ شاید وہ چاتن ہی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ نہیں تو اُس نے صاف صاف کیوں نہیں کہا؟

خواہ کچھ بھی ہو، کورن نے دھان اور روپے کا انتظام کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

کورن کا ایک دوست کنجیؔ ہے۔ وہ کینکرا کے ایک بڑے کسان کے یہاں متواتر کئی سال سے کام کر رہا ہے۔ وہ کورن کو پشپ ویلل[1] یوسف کے یہاں لے گیا۔

پشپ ویلل کا مکان دیکھتے ہی کورن کو یقین ہو گیا کہ وہ ایک امیر کسان کا مکان ہے۔ وہاں پانی نکالنے کا انجن، چار پانچ بڑی بڑی کشتیاں، چار پانچ بڑے بڑے دھان کے ذخیرے، گائے بیل اور بھینس سب دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ وہاں کام کی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اس گھر کے مالک کورن کی مانگ کے مطابق دھان اور روپیہ دینے کو تیار ہو گئے۔

لیکن اُن کے یہاں کچھ کڑی شرط بھی تھی۔ سال میں کم از کم ۲۸۰ دن کام کرنا ہو گا۔ دن بھر کام کرنے کی مزدوری دو سیر دھان ہو گی۔ کٹائی کے دنوں میں ایک ایک دن چھوڑ کر ایک ایک آنہ خرچ کے لئے دی جائے گی۔ کٹائی کے بعد میڈائی کر چکنے کے بعد دسویں حصّے کے حساب سے اُس کے حصّے کا دھان اُسے ملے گا۔ اور کسی طرح کی رعایت کسی موقع پر

---

[1] گھرانے کا نام۔

نہیں کی جائے گی۔ سب کام ختم ہو جانے پر ہر ایک کام کرنے والے کو چالیس چالیس سیر دھان اور ملیں گے۔ ادھار قرض میں دیا گیا سب اُسی میں سے کاٹ کر حساب کیا جائے گا۔

کورن کسی بھی نوع چرد تا کو حاصل کرنے کی فکر میں تھا، اُس نے یوسف کی شرطوں کو پورا پورا سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ تو کسی بھی قاعدے اور شرط کو ماننے کے لئے تیار تھا۔ اُس نے سب شرطیں قبول کرلیں۔ یوں روپے اور دھان کا بندوبست ہو گیا۔

۳

شادی ہو گئی یعنی شادی کی رسم پوری ہو گئی۔ دعوت نہیں ہوئی۔ دعوت سے پہلے ہی لڑکی کو ابھی ساتھ لے جانا ہے یا نہیں، یہ سوال نہ جانے کیسے اُٹھ کھڑا۔

کورن نے کہا کہ اس کا ارادہ ساتھ لے جانے کا ہے۔ کالی پرتن نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔

"کیوں، لڑکی کو کیوں نہیں بھیجو گے؟"

"محلے والوں کو پینے کے لئے اور تمبوران کی نذر بھینٹ کرنے کے لئے پیسہ دینے پر ہی لڑکی بھیجی جاسکے گی۔"

شادی میں آئے ہوئے لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے کہا۔ "پیسہ تو دینا ہی ہے۔ اسی وقت کیوں نہ دے دیا جائے۔ لڑکی کو روکنا مناسب نہیں ہے۔" دوسرے گروہ نے کالی پرتن کی تائید کی، بنا بات کی زبانی جنگ شروع ہو گئی۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر بھات کے ڈھیر میں لکڑی گاڑ دی اور کہا کہ جھگڑا طے ہونے تک کوئی بھی بھات

کو ہاتھ نہ لگائے۔"

جھگڑا بڑھ گیا۔ کچھ لوگ مارپیٹ کے لئے بھی تیار ہو گئے۔

چردتا کا دل ٹوٹنے لگا۔ اُس نے یہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی شادی کی تقریب مارپیٹ اور خون خرابے میں تبدیل ہو جائے گی۔ وہاں جو لوگ موجود تھے وہ یا تو باپ کے مخالف تھے یا شوہر کے۔ جھگڑا بڑھنے سے باپ یا شوہر پر کوئی مصیبت آجائے تو؟ وہ اس فکر سے پریشان تھی۔ یہ دونوں کیوں جھگڑ رہے ہیں؟ سب کے سب اُن کے دشمن ہیں، یہ بات یہ دونوں کیوں نہیں سمجھتے؟ ...... باپ کو آج نہیں تو کل وہ پیسہ مل ہی جائے گا۔ شوہر بھی اپنی ضد پر کیوں قائم ہے؟ آج ہی لے جانا ہے۔ چار دن بعد ہی لے جانے سے کیا نقصان ہو گا؟ .....

لیکن طرفین میں سے کوئی بھی دبتا نہیں تھا۔ مارپیٹ شروع ہو گئی۔ تب سب کی آواز کے اوپر کورن کی آواز سنائی دی۔

"میں لڑکی کو آج نہیں لے جاؤں گا۔"

یکایک خاموشی چھا گئی۔ چردتا کی تشویش دور ہوئی۔ اُس نے شوہر کی طرف دیکھا۔ چھاتی پھلا کر اور ہاتھ اُوپر اُٹھا کر پھر صاف صاف بلند آواز میں اُس نے کہا:

"میں لڑکی کو آج نہیں لے جاؤں گا۔"

چردتا کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

سب لوگ کورن کا اعلان سُن کر ہکا بکا رہ گئے۔ چاروں طرف

سنّاٹا چھا گیا۔

"یہی نیائے ہے" کالی کے منہ سے نکلا۔ اس کے طرفداروں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

بھیڑ میں سے شہد کی مکھی کے چھتّے میں سے آنے والی بھنبھناہٹ کی مانند آواز اٹھی۔ "یہ براتیوں کی ہار ہے"

یہ سنتے ہی سب کا رُخ بدل گیا۔

"دولہا نے سب کی بے عزّتی کی ہے" ایک نے کہا۔

"ایسا ہے تو ہم لوگ یہاں سے چل دیں" دوسرے نے کہا۔

کورن کو اب ایک نئے مورچے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بھائی بند اور رشتے دار سب روٹھ کر بغیر کھائے پیئے ہی جا رہے تھے۔ اب وہ سب مل کر اُسے برادری سے خارج کر دیں گے۔ یہ بات چرونتا نے بھی سمجھ لی۔

کالی فتح کی خوشی میں پھول کر بولا۔ "جاؤ جاؤ، سب کے سب چلے جاؤ! میرے دروازے پر شادی بیاہ کے موقع پر جھگڑا فساد نہیں ہونا چاہیئے۔ تم سب بدمعاش ہو، یہاں اپنی بدمعاشی مت دکھاؤ"

دلہن کا باپ ہی براتیوں کو یہ سب سُنا رہا تھا۔

سب اپنا اپنا سامان اُٹھا کر فوراً وہاں سے چلے گئے۔ کنجّی بھی نہیں رُکا۔ کورن بھی رُکنے کی درخواست تک کرنے سے قاصر تھا۔ دو ایک آدمی بھی تو نام کے لئے رُک جاتے۔ کورن کا باپ بھی چلا گیا۔ کنجّی نے جاتی مرتبہ دو بار صرف گھور کر اِدھر دیکھا۔

چمروتا نے دیکھا کہ کورن پتھر کی مورتی کی طرح ساکت و صامت کھڑا ہے۔ اُسے دل ہی دل میں اپنے باپ پر بڑا غصّہ آیا۔ کیا سب باپ اسی طرح اپنی لڑکیوں کی شادی کرتے ہیں؟ ایک شفیق باپ کی یہی پہچان ہے کیا؟ یہ تلخی مرتے دم تک بھی نہیں بھلائی جا سکتی۔ بیٹی کی شادی میں آئے ہوئے لوگوں کو گالی دے کر بھگا یا گیا ہے!

اُس کا دُولہا بے چارا کھڑا پانی پانی ہو رہا تھا۔ اُس نے اُس سے شادی کی، گویا اُسے کہیں لڑکی ہی نہیں ملتی..... سب رشتے دار روٹھ کر چلے گئے...... کیا یہ شخص اب اُس سے محبت کر سکتا ہے؟ براتیوں میں سے ایک بھی آدمی نہیں رہ گیا......

گھر کے چاروں طرف کھڑے مکئی کے لمبے لمبے پودوں کے پیچھے سے نکل کر ایک آدمی سر جھکائے گھر کی طرف بڑھا۔ کون؟ چاتن! وہ نہیں گیا تھا، اکیلا وہی رہ گیا تھا۔ باقی سب چلے گئے تھے.... چمروتا کو تعجب ہوا، اور دل کو کچھ سکون بھی حاصل ہوا۔ دولہا کے بُلاتے ہوئے مہمانوں میں سے کم سے کم ایک آدمی تو ہے۔ وہ کافی ہے۔

چاتن نے کورن کے پاس جا کر کہا "سب کو تم سے جلن تھی تم من میں دُکھ مت مانو!"

کورن نے چاتن کو گلے لگا لیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

۴

ایک غریب کی جھونپڑی میں بھی میاں بیوی کے درمیان محبّت اور کشش بڑھتی دکھائی دیتی ہے۔ اُن میں بھی بناؤ سنگار کا شوق ہوتا ہے۔ وہاں بھی عورت کنکھیوں سے دیکھنا جانتی ہے اور اس میں مرد کو محبّت میں باندھ کر اپنے ہی پاس رکھنے کی طاقت ہے۔ عورت مرد وہاں بھی پیمانِ وفا باندھتے ہیں۔

چاندنی رات میں وسیع پانی پر ایک ناؤ ہوا کی رفتار سے بہتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اُس میں محبّت میں سرشار دیوتاؤں کی طرح دو شخص نظر آتے ہیں۔ وہ چیردتا اور کورن ہیں۔

کورن کی گود میں سر رکھ کر چیردتا چت لیٹی ہوئی ہے۔ اُس کے مسرّت سے کھِلے ہوئے چہرے کو دیکھتے دیکھتے کورن کی آرزوئیں کبھی کبھی الفاظ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں "اس ماتھے پر ایک بندی لگائے ریشمی چوٹی اور اچھے اچھے کپڑے پہنے پوری سجاوٹ کے ساتھ اگر میں اپنی پیاری کو

دیکھ سکوں تو ...... اچھا چیت گذرنے دو۔"

چمر دتا کی خواہش کچھ اور تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کورن ایک کُرتا پہنے اور جسم پر ایک چادر ڈالے روزِ روشن میں آگے آگے چلے اور وہ اُس کے پیچھے پیچھے۔ اُس نے بھی اپنے دل میں طے کیا کہ چیت کا مہینہ آنے دو۔

کورن نے کہا "ایک دن ہم دونوں آلپوشا جاکر سینما کیوں نہ دیکھیں؟"

سینما دیکھنے کی چمر دتا کی بھی خواہش تھی۔ اُس نے کبھی سینما نہیں دیکھا تھا۔ باہمی محبّت کے رشتہ میں بندھے ہوئے اِن میاں بیوی کی ساری حسرتیں اور تمنّائیں چولی، کرتہ اور آلپوشا کے سفر ...... جیسی ناچیز باتوں ہی میں اُلجھ کر نہیں رہ گئی تھیں۔ اُنھیں اور بھی ٹھوس کام کرنا تھا۔ اُن کی محبّت ایک بوسے یا ہم آغوشی میں ڈوب جانے والا جوش نہیں تھا...

کورن نے پوچھا۔ "ہمیں اپنا قرض بھی چکانا ہے نا، چمر دتا؟"

"اس میں کیا شک ہے؟ ضرور چکانا ہے۔" چمر دتا نے جواب دیا۔

اس کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کورن نے پوچھا — "اچھا، پہلے لڑکا یا لڑکی؟"

وہ لڑکا چاہتی تھی۔

یکایک کورن کی خوشی کم ہوتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اُس نے کہا — "لیکن کیا یہ قرض ہمارے لئے ایک شاپ (بددعا) بن جائے گا۔ ہم تو اپنا قرض نہیں چکا رہے ہیں۔"

کورن اپنے باپ کو کچھ نہیں دیتا تھا جو قرض اُسے چکانا تھا وہ نہیں چکاتا تھا۔ لیکن اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

چیروتا نے ڈھارس بندھائی۔ "روز مزدوری کا آدھا سیر دھان مجھے سونپ دیا کرو۔ تھوڑا جمع ہو جانے پر لے جا کر بابا کو دے آنا۔"

اس نیک دل دوشیزہ کو جو پانا تھا، سو اُس نے پا لیا۔ دونوں کے ہونٹ ایک طویل بوسے کی سرخوشی میں آپس میں مل گئے۔

کورن کنچی کے ساتھ رہتا ہے۔ اس نے گھر کے ایک حصّے کو ٹاٹ سے الگ کر کے رہنے لائق بنا لیا ہے۔

وہ ایک بدلی کا دن تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور بیچ بیچ میں پانی بھی پڑ رہا تھا۔ خوب جاڑا معلوم ہوتا تھا۔

اس دن چیروتا نے کورن سے کام پر جانے کو نہیں کہا۔ کورن کی مرضی بھی جانے کی نہیں تھی۔ کام تھا پانی میں ڈبکی لگا کر مٹی نکالنے کا۔ ایسی سردی میں آدمی باہر ہی کانپتا رہتا ہے۔ پانی میں گھس کر کام کرے گا تو کیا ہوگا؟ بالکل ٹھٹھر جائے گا۔

لیکن پیسے بغیر کیسے کام چلے گا؟ [illegible] میں بھی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ چیت تک سال بھر کی پوری مزدوری پانے کے لیے بلا ناغہ کام کرنا ضروری تھا۔ اس کی آمدنی سے قرضے کی رقم کاٹ کر باقی کیا پورا کرنا تھا۔ چیت کے بعد ہی

اصل زندگی شروع ہوگی۔ اپنے لوگ سب روٹھ کر الگ ہو گئے تھے۔ مدد کے لئے کوئی نہیں تھا۔ پوری طاقت لگا کر کام کرنے سے نباہ ہوگا۔ صرف یہی نہیں کام پر نہیں جائے گا تو بھوکوں مرنا پڑے گا۔

کورن نے پوچھا۔ "گھر میں چاول یا موڑھی کچھ ہے؟"

چرد تا نے سمجھا کہ گھر میں کچھ رہنے پر کام پر نہ جانے کے خیال ہی سے کورن نے یہ سوال کیا ہے۔

اُس نے جواب دیا "نہیں ہے تو فاقہ ہی سہی۔ اس ٹھنڈ میں جا کر کہیں بیمار پڑ جاؤ تو؟"

کورن چپ رہا۔

وہ پھر بولی۔ "آدھ پاؤ چاول اور ایک ادھنی ہے۔ آج اس چاول اور تھوڑی مرچنی خریدنے سے کام چل جائے گا۔"

پھر بھی گھر میں چپ بیٹھے رہنا کورن کو گوارا نہیں تھا۔ اُجالا ہونے کے دو تین گھنٹے بعد بادلوں میں سورج کی کچھ کرنیں جھانکنے لگیں۔

کورن نے کہا "میں ذرا تمپوران کے یہاں ہو آتا ہوں۔"

کورن اس دن کام پر نہیں جائے گا یہ بات پکی کر کے چرد تا نے کورن کو جانے دیا۔

قریب آدھ گھنٹے بعد سورج پھر بادلوں میں چھپ گیا اور زمین پر

لہ ایک قسم کا قند جسے غریب لوگ استعمال کرتے ہیں۔

اندھیرا چھا گیا ۔ موسلا دھار مینہہ برسنے لگا ۔

چِروتا نے کنجّی کے لڑکے کو بھیج کر ایک پیسے کی مرچیں اور ایک پیسے کا نمک، مرچ، مٹی کا تیل اور پان منگوا لیا ۔ تب کنجی[1] اور بھاجی بنا کر کورن کا انتظار کرنے لگی ۔ لیکن کورن نہیں لوٹتا ۔

وہ کام پر چلا گیا ہوگا کیا؟ بھینس بھی اس ٹھنڈے پانی سے بھاگے گی ۔ کیا وہ پانی میں ڈبکی لگا کر مٹی نکالتا ہوگا؟ کام پر گیا ہوگا تو دوسرے دن بیمار پڑنا طے ہے ۔

وقت گذرتا گیا ۔ کیسا جاڑا ہے! دن کتنا گذر گیا اس کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ چِروتا چٹّی سے اپنے کو ڈھک کر لیٹ گئی ۔ تھوڑی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی ۔

ایسے لگا کہ کورن نے اُسے پکارا ہے ۔ وہ چونک کر اُٹھی ۔ لیکن کوئی نہیں تھا ۔ اُس نے باہر نکل کر دیکھا ۔ کورن ابھی تک نہیں لوٹا تھا ۔ شام ہو گئی، ایسا معلوم ہوا ۔ بھوک بھی خوب لگی تھی ۔ کنجی میں سے تھوڑا سا پانی پینے کے خیال سے وہ اندر گئی ۔

اندر کنجی اور سبزی کے برتن خالی پڑے تھے ۔ کتّے نے چاٹا ہوگا؟ ایسا نہیں ہو سکتا ۔ اس نے تو سب چھیکے پر رکھا تھا ۔ کسی نے برتن اُتار کر کھا لیا ہے ۔

---

[1] بہت پتلی مانڈ جس میں بھات کا تھوڑا سا عنصر ہوتا ہے ۔

چرد تا نے سمجھ لیا کہ یہ کام کون کر سکتا ہے۔ کنجی کے لڑکے نے اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ رات کو گھس کر چرا کر کھایا تھا۔ اُس دن آواز سن کر اُس کی نیند ٹوٹ گئی تھی اور وہ پکڑا گیا تھا۔

چرد تا کا دُکھ اور غصّے سے بُرا حال تھا۔ شام کو کورن کام پر سے آئے گا تو وہ کیا کہے گی؟ چھاتی پر ہاتھ رکھ کر وہ زور زور سے گالی دینے لگی۔ باہر کنجی کی بیوی مانی بیٹھی سوپ بُن رہی تھی۔ اس نے پوچھا "او، کس کو گالی دے رہی ہو تم؟"

"دیکھو نہ۔ چھکے پر سے کسی نے کنجی اور بھاجی اُتار کر کھالی ہے۔ اس سے تو اچھا ہوتا کہ وہ کتّے کا میلا ہی کھاتا۔"

وہ گالی دیتی رہی۔ مانی اُٹھ کر آئی۔ اُس نے پوچھا: "کس نے لے کر کھایا ہوگا؟"

"تمھارے ہی بیٹے نے، اور کس نے؟"

مانی نے کہا اُس کا بیٹا ایسا نہیں کر سکتا۔ چرد تا کو اس میں ذرا بھی شک نہیں تھا کہ اس کے بیٹے ہی نے ہاتھ صاف کیا ہے۔ مانی نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ چرد تا نے خود کھا لیا ہے اور کورن کے آنے پر اس سے پٹنے کے ڈر سے اس کے بیٹے پر جھوٹا الزام لگا رہی ہے۔ چرد تا اِسے برداشت نہ کر سکی۔ وہ پیٹ کی ایسی ملائم نہیں تھی۔ اس کے پہلے حسن نے جو چوری کی تھی اس کی بات کہہ سُنائی اور کہا "فضول کے کتّوں جیسے بچّوں کو جنم دینا ہی کافی نہیں ہے۔ اُنھیں ٹھیک سے رکھنا اور پالنا بھی چاہیے۔"

"چھو۔ ۔ ۔ ۔ جا جا!"

"مجھے دُتکارے گی تو! ہاں، کہے دیتی ہوں۔"

"چل، نکل میرے گھر سے!"

چِرُدنّا ہار گئی۔ وہ کہاں جائے گی، اور کہیں جا کر ٹھہرنے کے لئے جگہ بھی نہیں ہے۔ اِن ہی لوگوں کی نوازش سے میاں بیوی کو ٹھکانا ملا تھا۔

مائی اپنی جیت سمجھ کر بولتی رہی۔ چِرُدنّا چپ ہو گئی۔

جب اندھیرا ہونے لگا تب کورن ٹھنڈ سے کانپتا ہوا گھر لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں تاڑ کی تھیلی میں دھان، مرچیں، نمک، مرچ وغیرہ سب ضروری چیزیں تھیں۔ چِرُدنّا ناراضگی میں ڈانٹنے لگے گی، اس کا اُسے ڈر تھا۔

چِرُدنّا بھی گھر میں ڈر کر کھڑی تھی۔ اُس نے مجبور ہو کر جھگڑا کیا تھا اُس کے لئے وہ خود کو کوس رہی تھی۔ غصّے میں وہ اتنا بول گئی اس کی اُسے کیا سزا ملے گی؟

کورن کے گھر پہنچتے ہی قصوروار بیوی آگے بڑھ کر اس کے پاس پہنچ گئی اور بولی۔ "مجھ سے آج ایک غلطی ہوئی ہے۔"

کورن کو بھی یہی بات کہنی تھی۔ اس سے بھی غلطی ہوئی تھی۔ چِرُدنّا نے سارا قصّہ سُنا دیا اور بولی "غصّے میں میں کیا کیا کہہ گئی۔"

کورن چپ چاپ کھڑا سب سُن رہا تھا۔ آخر فیصلہ سُنایا: "جاؤ، اُس کے پاؤں چھو کر معافی مانگ لو۔"

چِرُدنّا اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ مائی نے بھی اُسے گالی سُنائی تھی۔

اتنے میں جھوپڑے سے رونے کی آواز آئی۔ اندھیرے میں چھپ چھپ کر لوٹے ہوئے چور جننؔ کو مانی نے پکڑ لیا تھا اور اُسے خوب پیٹ رہی تھی۔

یہ سُن کر چرُوتا کے لئے خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مانی اور جننؔ کے درمیان جا پڑی۔ جننؔ کے لئے اٹھایا ہوا گھونسا چرُوتا کی پیٹھ پر دھم سے پڑا۔

اس طرح اِن دونوں کا جھگڑا وہیں ختم ہو گیا۔

کورن نے اُس دِن کی مزدوری کے دو سیر دھان کا حساب بتایا۔ چرُوتا دھان گرم کر کے کوٹنے لگی۔ آگ کے پاس بیٹھ کر تاپتے تاپتے کورن نے مرچیں کتر کر رکھ دیا۔ کھانا تیار ہوتے ہوتے بتی بھی بجھ گئی۔ گھانس پھونس جلا کر اس کی روشنی میں بیٹھ کر دونوں نے کھانا کھایا۔

سونے کے لئے جب وہ لیٹے تب بیوی نے خاوند سے کہا۔ ”کیا ہمیشہ اس طرح دوسروں کے یہاں گذارہ کرتے رہوگے؟

”آج میں نے تمپوران کے سامنے یہ بات اُٹھائی تھی۔ زمین اُٹھا کر ایک جھونپڑی بنانے کی اجازت تو مل گئی ہے۔“

تھوڑی دیر بعد چرُوتا نے پوچھا۔ ”اس کے لئے وقت کہاں؟“

”روز کام پر سے لوٹتے وقت ایک ایک ناؤ مٹی لا کر ڈال دیتی ہے زمین جب اونچی ہو جائے گی تب جھونپڑی کھڑی کر لیں گے۔“

کورن یہی سوچ رہا تھا لیکن تب تو چیت سے پہلے نئے گھر میں نہیں رہ سکیں گے۔

۵

کورن نے اپنا گھر بنانے کے لئے پانی میں سے زمین اونچی کرنا شروع کردی۔ زمین پانی کی سطح سے ایک فٹ اونچی اٹھ آئی۔ پوس مہینے میں کھیت میں دھان بونے سے پہلے وہ کافی اٹھ جانی چاہیے۔ چاندنی رات میں بھی کورن مٹی ڈال کر زمین اٹھانے میں مصروف رہتا تھا۔ تمپوران نے کہا تھا کہ زمین اٹھانی ہے تو وہ اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں دس پندرہ ناریل کے پیڑ بھی لگائے جاسکیں۔

ساون کا مہینہ ہے مہورت دیکھ کر کھیت کا باندھ بنانے کا کام شروع کرتا ہے اس دن کسان کے سب مزارعے اکٹھے ہوتے ہیں اور بھوج ہوتا ہے۔ اس دن سے "پنچا کھیت"[1] کے مزدور پرین اور پلین[2] کو بریچر یہ

---

[1] پنچا کھیت۔ پانی میں پڑا رہنے والا کھیت۔

[2] پلین۔ پرین کی قسم کا اچھوت کھیت مزدور۔ فرق صرف یہ ہے کہ (باقی)

رکھنا پڑتا ہے۔

اس تقریب پر ہر دس آدمیوں کے لئے ایک گھڑا تاڑی اور پانچ سیر دھان کی موڑھی ملتی ہے۔ اُس دن دسوں کام کرنے والوں کی عورتیں بھی حاضر تھیں۔ دسوں کا مکھیا سمیتل ملیئن سب کو ڈالتا جاتا تھا۔ کورن نے تین گلاس پی۔ تب تک باقی سب پانچ چھ تک چڑھا چکے تھے۔ کورن اتنے ہی سے مطمئن تھا۔

چینن (جس نے سب سے زیادہ پی تھی) بولا "یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ایک گلاس اور تمہیں ایک گلاس اور پینی چاہیئے۔"

"میں اور پیوں گا تو اُلٹی ہو جائے گی۔"

سب نے ایک گلاس اور پینے پر زور دیا لیکن کورن نے انکار کر دیا۔

تب کنجپی نے کہا "تب تو تمہیں باندھ کر پلائی جائے گی۔"

بس پھر کیا تھا! چینن نے کورن کا ہاتھ پکڑا اور کنجپی نے پاؤں۔ کورن کو آخر مجبور ہو کر پینی ہی پڑی۔

سب عورتیں الگ کھڑی کھڑی باتوں کا رس لے رہی تھیں وہ بھی ایک دو گلاس پی چکی تھیں۔ چروتا نے بھی پی تھی۔

بیچ میں مانی نے کہا "چروتا سب مل کر تیرے پرتن کو پکڑ پکڑ کر پینے

(بقیہ) اونچی ذات کا کہلانے والوں سے پرتن کو ۵۰ فٹ اور ملیئن کو ۱۲۰ فٹ پرے کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

کی عادت ڈلوا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ تمھیں کو بھگتنا پڑے گا۔ رات کو پی کر آئے گا اور تمھیں مار کھانی پڑے گی۔"

دو گلاس تاڑی چمروتا کے پیٹ میں بھی کام کر رہی تھی۔ وہ بولی: "ایسا تو تمہیں لوگوں کے پرتر کرتے ہیں۔ میرا پرتن تو کتنا ہی پی کر آئے۔ منہ سے "رے" "تو" تک نہیں نکالتا۔ کیونکہ میں اپنی مرجاد کو نہیں توڑتی۔"

مانی کو محسوس ہوا کہ چمروتا نے اس کی بے عزتی کی ہے اُسے غصہ آیا۔ وہ بولی۔ "اری دودش نکالتی ہے۔ باقی سب مرجاد توڑتی ہیں۔ تو نے کس مرجاد کو ٹوٹتے دیکھا ہے؟"

کنجی چلایا۔ "اے مانی، تمہاری زبان کیا منہ کے اندر نہیں رہے گی؟"

کورن نے چمروتا کو بھی بولنے سے منع کیا۔ لیکن مانی اور چمروتا کا مباحثہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ جینن اور شمتل کی عورتیں بیچ بچاؤ کرنے لگیں۔ پھر بھی دونوں میں لفظی جنگ جاری رہی۔

مانی نے کہا۔ "لاج شرم تو تم میں ہے نہیں۔ نہ آدھی رات اور نہ سویرے کا خیال، نہ دن دوپہر یا اور سانجھ کا۔ ناؤ میں پرتن کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے۔"

چمروتا اپنے کو روک نہیں سکی۔ بولی۔ "جہاں پرتن اور اس کی استری میں پریم رہتا ہے وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

شمتل ملیٹن کی ملیئی پر اب تاڑی کا رنگ خوب جم گیا تھا۔ اُس کا سر اِدھر اُدھر جھوم رہا تھا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی:۔

"او مانی کی بچی، جوانی میں سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم کیسے تھے؟"

مانی نے کہا۔ امی ری امی۔ ہم تو تھوڑی لاج شرم دو رپردے کا خیال بھی رکھتی تھیں۔"

چرودتا کو بڑی ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن اب کیا جواب دیا جائے۔ اس بات سے وہ پریشان ہونے لگی۔ مانی کا بھی غصہ نہیں اترا۔ وہ آگے بولی:

"یہ سنگار پٹار کیوں بڑھتا جاتا ہے معلوم ہے؟"

"کیوں؟" آنکھ کھولنے کی کوشش کرتی ہوئی شمئل کی عورت نے پوچھا۔ "بتاؤ!"

"اتنا ہی نہیں۔ یہ ہمارے تمپوران کو بھی نقصان پہنچائے گی۔ کام کرنا ہے پنجا کھیت میں۔ دھاگے کی طرح پتلی میڈھی ہی رکشا کرتی ہے۔ سچ ہی اس کی نیو ہے۔ پاک اور صاف نہ ہو کر جائیں تو ستیاناش ہو جائے گا۔ تمپوران کو اس کا نتیجہ بھوگنا پڑے گا۔ کھیت میں پیداوار ہوگی تب ہی تو لوگوں کو چوری سے یا کسی بھی طرح کچھ ملے گا۔ ہمیں پر چوری کا دوش لگائے جا رہی ہے۔ چنن کے باپ نے ہی ساتھ میں لے جا کر کام لگوا دیا تھا۔"

شمئل کی پلئی کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ اس نے پوچھا: "سو کیا بات ہے ری؟"

مانی نے آگے کہا۔ "نہیں، اما، یہ پرن کو چھوڑتی ہی نہیں۔"

کیلیٔ ہنسی۔ اب چرودتا کو بولنے کا موقعہ ملا۔

اس نے کہا۔ "ارے رے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ تمہارا پرن تمہارے پاس نہیں آتا تو اس کے لئے بھی میں ہی ذمے دار ہوں۔"

یہ کہتی ہوئی چروتا مانی کے پاس آئی اور انگوٹھا دکھاتی ہوئی بولی۔ "اوہو، پنچا کھیت میں کیسے کام کرنا چاہیے، یہ مجھے بھی معلوم ہے۔ میں بھی تمپورالزن کی پشتینی داسی ہوں۔ ان لوگوں کے یہاں بھی بڑی زمینداری ہے۔"

اس طرح عورتیں جب ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے لڑ رہی تھیں، تب اُن کے مردوں کے درمیان بھی ایک الگ ہی موضوع پر باتیں ہو رہی تھیں۔

جینن نے اپنا ایک شبہ ظاہر کیا۔ "اگر پرتن اور پلیتن نہیں رہیں تو پنچا کھیت کیسے آباد ہوں گے؟"

یہ ایک ایسا سوال تھا کہ "نہیں آباد ہوں گے" ۔ کہنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔

ایٹاٹی نے کہا۔ "پرتن اور پلیتن سے ہی ہو سکتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے کوشش کی تھی۔ لیکن اُن سے بن نہیں سکا۔"

شمعی پلیتن نے کہا۔ "پرتن اور پلیتن کے ختم ہونے کی نوبت تو ابھی آئی نہیں۔"

کورن کے تاڑ دل سے گزر کر دماغ میں ایک سوال اٹھا۔ "ہمارے رہتے ہوئے بھی اگر کام نہ کریں تو کیا ہوگا؟"

کیچن نے اپنے جھکے ہوئے سر کو اُٹھا کر کہا: "بھوکوں رہنا پڑے گا۔"

ایٹاٹی نے اُسے پورا کیا۔ "تمپوران لوگ بھی بھوکوں رہنے لگیں گے۔"

جینن نے اپنی رائے دی۔ "سارے دیس میں بھک مری پھیل جائے گی۔"

شمعی زور سے ہنس پڑا۔ اوپتی کچھ اور ہی خیال میں تھا۔ اُس نے پوچھا۔

اس کہناٹ میں کتنی پنیری کی زمین ہو گی؟"

اس فضول کے سوال پر پونتی ہنس پڑا۔ "دیس بھر میں کتنی پنیری کی زمین ہو گی؟ ارے یہ کیسے معلوم ہے؟"

ادلمتی نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔ "بات یہ ہے کہ کھیتوں کو موڑ کر، ہل چلا کر، بیج بو کر آباد کرنے والے پلیتن اور پرتن ہی تو ہیں نہ بھائی!"

کورن کو ایک اور بات سوجھی۔ اُس نے پوچھا "یہ زمین جس میں سب تمپوران لوگ اپنے اپنے گھر جمائے ہوئے ہیں، پرتن ہی نے تو مٹی ڈال ڈال کر پانی سے اُوپر اُٹھائی ہے؟"

شمکل پلیتن نے اپنے بچپن کی ایک کہانی سنائی۔ ان دنوں وہاں صرف آٹھ دس ہی گھر تھے۔ لیکن آج آٹھ سو کیا، ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ سب پرتن اور پلیتن ہی کی محنت کا پھل ہے۔

کنجتی آہستہ سے بولا۔ "دھن اور دھان انھیں کا خرچ ہوا تھا نا؟"

"اُن کے پاس دھن اور دھان آیا کہاں سے؟" کورن نے سوال کیا۔

"انھوں نے کھیت جوت بو کر پایا۔"

"کس نے جوتا بویا؟ پرتن، پلیتن ہی نے تو جوتا بویا ہے۔ دھان پیدا ہوئی اور تمپورانوں نے اپنے کوٹھے بھر لیے۔ پرتن اور پلیتن ہی نے اپنی محنت سے مٹی بھر بھر پانی میں سے زمین اُٹھائی۔ اُس میں ناریل کے پیڑ لگائے۔ پر ناریل توڑ کر لے جاتے ہیں تمپوران لوگ۔"

ایتائی نے اس بات کی سچائی کی تائید کی۔

شمئل کو پھر پرانی باتیں یاد آنے لگیں۔ اُس نے اُن دنوں کے بڑے بڑے کھیت مالکوں کے نام گنوائے۔ اب وہ مر گئے تھے لیکن یہ سب سچائی اور ایمانداری پر چلنے والے تھے۔

اُس نے کہا۔ "دھان جمع کرنے اور بیچنے کے لئے وہ کھیتی نہیں کراتے تھے، دھان آدمی کے کھانے کے لئے تھا۔"

اس طرح ان سب کی بات چیت پرانے زمانے کی کھیتی سے لے کر آج کل کی کھیتی تک پہنچی۔ آج کل چھوٹے چھوٹے کسان سب تباہ ہوتے جاتے ہیں۔ تھمپی نے یہ تسلیم کیا۔

اوپلتی نے اس بات کی اور بھی وضاحت کی:۔

"چھوٹا کسان بٹائی پر کھیت لیتا ہے۔ ٹھیک وقت پر وہ بوائی نہیں کر پاتا۔ اس کے لئے گرہ میں پیسہ چاہیئے نا؟ پیسہ رہتا نہیں۔ قرض لیتا ہے۔ کٹنی، میڈئی ختم ہوتے ہوتے کھیت مالک کا آدمی بڑہ[1] لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور تھوڑی بہت جو پیداوار ہوتی ہے اُس میں سے مالک کا حصّہ اُٹھا لے جاتا ہے۔ باقی جو بچتا ہے اس میں سے جس سے قرض لیا ہوتا ہے اُسے دیتا ہے۔ آخر میں اس کے پاس بچتا ہی کیا ہے؟ پھر قرض لیتا ہے۔ تب بھی بھوک مری سے بچاؤ نہیں ہوتا۔"

---

[1] بڑہ - اناج تولنے کے بدلے ناپا جاتا ہے۔ ایک منیری کے نپنے کو بڑہ کہتے ہیں۔ ایک سیر کے ناپ کو اٹمنشی اور ایک پاؤ کے ناپ کو ایکناشی کہا جاتا ہے۔

اڈنیٹی نے کہا۔ ”یہ بات ٹھیک ہے، چار پانچ تمپورالوں کے علاوہ باقی سب کا یہی حال ہے۔ ان چھوٹے تمپورالوں کی حالت ہم مزدوروں سے بھی کہیں گئی گذری ہے۔“

کنچی نے کہا۔ ”ہے بھگوان! ایسے تمپورالوں کا داس بننے سے ہمیں بچانا۔“

اتنے میں پشپ بیلی یوسف وہاں آپہنچا اور کہا ”چلو چلو! وقت ہو گیا۔“

عورتوں اور مردوں کی بات چیت ختم ہو گئی۔ سب لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر یوسف کے ساتھ کام پر چل پڑے۔

دوسرے دن سویرے چرو تا کی گود میں سر رکھ کر مانی صبح کی دھوپ میں لیٹی تھی۔ چرو تا مانی کے بالوں میں سے جوئیں نکال نکال کر مار رہی تھی۔

عورت مرد سب ہی گزشتہ دن کی بات کو بھول گئے تھے۔

۶

کھیتوں میں سخت کام کرنے کا وقت ہے۔ کٹنا ٹیں کام کے مارے زندگی اجیرن ہو رہی ہے۔ سب لوگ ایک طرح کی جلدی میں ہیں۔ لوگوں کے آنے جانے کا صرف ایک ہی مقصد ہے۔ سب جگہ کام ہو رہا ہے۔

یوسف کی چھ ہزار پنیسری کی زمین[1] چھ کھیتوں میں منقسم ہے ہر کھیت میں کام ہو رہا ہے تین ہزار پنیسری کے جھیل کے کنارے والے کھیتوں میں چھ سو پنیسری کا ایک ٹکڑا یوسف کا ہے۔

سب کھیتوں کے چاروں طرف کا باندھ ٹھیک کرنے کا کام ختم ہو گیا۔ لیکن یوسف کے چھ سو پنیسری والے ٹکڑے کا باندھ ابھی بندھنا بھی شروع نہیں ہوا تھا کھیتوں سے پانی نکالنے کی مشین لگا دی گئی تھی۔

ایک دن کام کے بعد کورن ناؤ سے گھر لوٹ رہا تھا۔ شام کا اندھیرا ہوئے دو ڈھائی گھنٹے ہو گئے تھے۔ اس کے سامنے سے دو آدمی ایک کشتی میں بیٹھے مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے

---

[1] جس میں چھ ہزار پنیسری بیج ڈالا جاتا ہے۔

کہا: "یہ کیا؟ اس کھیت میں انجن لگانے کے بعد بھی چاک بندی کا کام شروع نہیں ہوا"

"یہ باندھ ایک بڑے کسان کا ہے۔ اس لئے اس میں وقت پر کچھ ہوتا نہیں" دوسرے نے جواب دیا۔

"پشپ ہیلی یوسف کے داس کون کون ہیں؟"

دوسرے نے شمس کنجی وغیرہ کا نام لیا اور کہا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی ذمے داری نہیں سمجھتا نہیں تو یہ باندھ بنا بندھے ایسا نہیں پڑا رہتا۔ اب یہ کب بنے گا؟

کورن کو یہ بات بہت ہی ناگوار معلوم ہوئی۔ کنٹراٹ کا کوئی بھی کسان مزدور اُسے برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

اُس کے دل میں آئی کہ ناؤ کو رکوا کر جواب دے "انھیں ایک ہی جگہ نہیں چھ چھ جگہ کام کرنا پڑتا ہے۔ رات دن وہ کام کرتے رہتے ہیں" اس طرح کا جواب اس کے من میں اُٹھا۔ لیکن یہ جواب اُسے مناسب نہیں معلوم ہوا۔

اس رات کورن کو نیند نہیں آئی۔ پشپ ہیلی داسوں کے خلاف کی گئی شکایت اُسے ہتک محسوس ہوئی۔

ادنیتی میں شامل ہوکر کام کرنے کا اس کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ اب تک وہ جنہیں ضرورت تھی اُن کے پاس روزانہ مزدوری ہی پر کام کرتا تھا۔ ادنیتی میں شامل ہونے کے بعد وہ مزدور سے داس بن گیا تھا۔ اُسے کیا کرنا تھا، یہ بات

پہلے ہی سے طے تھی۔ کل کون بلائے گا، کیسا کام کرنا ہوگا وغیرہ کی فکر کرنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔ اب اس پر خاص ذمے داریاں ہیں۔ کام بھی اب روزانہ کی مزدوری کے لئے نہیں کرنا پڑتا۔ اب تو وہ دیس کے لئے ضروری اناج اگانے کے لئے کام کرتا ہے۔ ہم وطنوں کو اناج بہم پہنچانے کے لئے ...... جس کھیت میں وہ کام کرتا ہے اس کی پیداوار کسی بھی دوسرے کھیت سے زیادہ ہونی چاہیئے۔

اس طرح پرتروں اور پلیوں میں مقابلے کا جذبہ ریاست بھر میں قحط دور کرنے کے لئے ممد ثابت ہو۔

ایسے خیالات پیدا ہو جانے پر کورن کو نیند کیسے آتی؟ اُسے ملا کر جتنے کام کرنے والے ہیں اُن سب میں ذمے داری کا احساس نہیں ہے۔ یہی بات کہی نا۔ اُسے اگر بھیا سنتا تو؟

کورن اُٹھا اور اُس نے کنجی کو پکارا۔ وہ بھی نہیں سویا تھا۔ کورن نے جو سنا تھا وہ کنجی کو کہہ سنایا۔ کنجی کو بھی کچھ کہنا تھا۔ اُن ہی کھیتوں میں ایک کھیت کے مالک نے اُسے بھی کچھ سنایا تھا۔ کورن سوچ رہا تھا کہ باندھ کا نہ بندھنا تمپوران کے لئے باعث تحقیر ہے۔

کنجی نے کہا۔ ہاں ہاں۔ تم تو ابھی سنتے ہونا۔ مکھیا کو کوئی تمیز یا عقل ہو تب ہی تو کام ہو سکتا ہے۔ اُسے کچھ سوجھ بوجھ تو ہے نہیں۔ بعد میں پہاڑ اُٹھانے لگے گا۔ لیکن اس طرح کا کوئی تمپوران کھوجنے پر بھی نہیں ملے گا۔ چیت مہینے ہماری ناپ دیکھنا چاہیئے۔ ایک مٹھی دھان بھی ہمارے برتن میں نہیں آنے دے گا۔ اپنے ہاں کام کچھ اس ڈھنگ سے ہوگا کہ سب تمپوران ہی کے حصے

میں چلا جائے گا۔ ہم لوگوں کی نہاری ناپتے وقت سب لوگ دل ہی دل میں ناپنے والے کو شاپ (بد دعا) دیتے ہیں۔ ایک بار پان کھانے کو بھی اُن کے سامنے ایک مٹھی لینا ناممکن ہے۔"

کورن نے کہا "وہ باندھ ٹھیک کرنے کا کام ہم کل ہی کیوں نہ شروع کردیں؟"

کنجپّی راضی ہو گیا۔

خوب سویرے یوسف کے سب مزارعے مکھیا کے گھر پر جمع ہوئے۔ کورن نے کہا کہ کام کسی تنظیم کے مطابق ہونا چاہیئے۔ کنجپّی نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ ایسا کرنے سے کھیتی ٹھیک طرح ہو سکتی ہے۔ تھمّل کی رائے بھی مختلف نہیں تھی۔ کھیتی کرنی تھی چھ کھیتوں میں، اگرچہ سب کو مل کر سب کھیتوں میں کام کرنا تھا۔ تو بھی ہر ایک کو الگ الگ حصے کی ذمّے داری سونپ دینا مناسب ہوگا تاکہ ہر ایک شخص اپنے حصے کی پوری چوکسی رکھ کر کام سنبھالے۔

تھمّل اس سے متفق تھا۔ اس نے کہا "تو ابھی یہ طے ہو جائے۔"

چینن جو اس بات میں حصہ لئے بغیر چادر اوڑھے ناریل کے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھا تھا، بولا — "میں اس طرح کی کوئی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار نہیں ہوں۔"

تھوڑی دیر تک کسی نے کچھ بھی نہیں کہا، تب کورن نے پوچھا:—

"ایسا کیوں! تم بھی پٹشپ بیلی کے داس ہو نا؟"

چینن تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا "اسے چھو کرے، میں ابھی ابھی

داس نہیں بنا ہوں ۔ باپ دادوں سے لے کر ہم ہشپ بیلی کے ادھیتی کار ہیں ۔ اس لئے میں نے کہا کہ مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا ۔"

یہ بات کورن کی سمجھ میں نہیں آئی ۔ پیڑھیوں سے داس ہونے سے یہ زیادہ اہمیت کی بات ہے کہ ذمّے داری سے کام سنبھالا جائے ۔ کورن نے کہا :-

"پنچا کھیت کی پیداوار پرتن اور ہلیتن کی محنت ہی پر منحصر ہے ۔ جب ہم اپنا کام ٹھیک طرح نہیں کرتے تب ہی دیس میں اکال پڑتا ہے ۔"

چینن نے ہنستے ہوئے کہا ۔" ہاں ' ہاں ۔ نئی بیوی چھپّر پر بھی جھاڑو لگاتی ہے ۔"

سب نے محسوس کیا کہ اگر بات چیت کا یہی سلسلہ جاری رہا تو چینن اور کورن میں اَن بن ہو جائے گی ۔ پیشتر اس کے کہ بات بڑھتی شمّل نے ایک ایک کھیت سب کو سونپ دیا اور ندی کنارے والے چھ سو ہنیری والے کھیت کی ذمّے داری کورن کو سونپ دی ۔

چینن کے لئے کوئی کھیت نہیں رکھا گیا ۔ بٹوارے کے متعلق اُس کی رائے بھی نہیں لی گئی ۔ اس کی موجودگی پر بھی لوگوں نے دھیان نہیں دیا ۔

چینن ذرا تن کر بیٹھ گیا ۔ پربت کی ہوا نے گویا اُسے جگا کر بلوان بنا دیا ہو ۔ اس نے حساب پوچھنے کا ارادہ کیا ۔

شمّلی! تم نے یہ کیا کیا ہے ؟"

"کیا ہے رے ؟"

"کیوں، تم بھی دوسروں کی طرح ہو گئے؟ آرد پرے پریڑپشپ بیلی کے ہی داس ہیں نا؟ کہیں سے بہ کر نہیں آئے ہیں!"

شمتل نے کہا۔ "یہ میں جانتا ہوں!"

"تب تم اس طرح نہیں کرتے۔ ایں، میرے تمپوران کی کھیتی ہے۔ ادھر اُدھر سے آئے لوگوں کو تم نے کھیت کی ذمے داری سونپ دی اور مجھے بھلا دیا۔ ہم بھی تو پشپ بیلی کا ہی نمک کھاتے ہیں!"

"میں نے کہا تھا نا کہ مجھ سے نہیں ہوگا!"

"ایسا تو میں بھی کبھی کبھی تمپوران سے بھی جھگڑ پڑتا ہوں۔ کبھی کبھی کام پر بھی نہیں جاتا۔ تمپوران کبھی کبھی مار بھی دیتے ہیں۔ سال میں کم سے کم دو بار میں مار کھاتا ہوں۔ یہ تم جانتے ہی ہو۔ لیکن تمپوران کے کھیت میں فصل پیدا کرنے کا کام میرا ہی ہے!"

"تو جو کھیت تمہیں پسند آئے، لے لو!"

چینن پشپ بیلی اور اپنے گھرانے کے بارے میں پھر سُنانے لگا۔ پشپ بیلی کے لوگ کسی وقت بہت امیر تھے۔ پھر ان کا سب کچھ برباد ہو گیا۔ اس کے بعد اُن کی حالت سُدھری اور پھر گری۔ اب پھر سدھر رہی ہے۔ پشپ بیلی کے ساتھ یہ سب اُتار چڑھاؤ سہتے ہوئے اُن کی خدمت میں رہ کر اس کے باپ دادا نے گذارا کیا ہے۔ قحط میں بھی وہ پشپ بیلی کے ساتھ رہے اور خوش حالی میں

لہ آردپ بڑے گھرانے کے پریڑ۔

بھی حصہ بٹایا۔ بچپن میں اُس نے اپنے دادا کو اِس زمانے کے تمپوران کو ڈانٹتے بھی دیکھا ہے۔ اُس چینین کو کوئی الگ کر سکتا ہے؟ الگ کرنے پر بھی وہ الگ ہو گا کیا؟

اسی دن چھ سو پنیری والے کھیت کا باندھ باندھنے کا فیصلہ ہو گیا۔ لیکن چینین اپنا حق اور اختیار ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے کہا "میں آج باندھ باندھنے کے لئے نہیں جا سکتا"

شمتل نے پوچھا "کیوں؟"

"مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔ جا کر تمپوران سے کہہ دینا"

چینین کو یقین تھا کہ پرانے تعلقات کے باعث تمپوران کے ساتھ اُسے کچھ آزادی حاصل ہے۔ اس آزادی کو اُسے اپنے ساتھیوں پر ظاہر کرنا تھا۔

۷

جینین ضرور قصور دار ہے - ایسے موقع پر کام پر نہ جانا نہایت نامناسب تھا۔ تمپوران کے ساتھ آزادی بھلے ہی ہو، لیکن یہ درست نہیں تھا۔ یہ کٹناٹ کے ملیئن کی روایت کے مطابق نہیں تھا۔ مزدوری نہ ملے، آمدنی نہ ہو، پھر بھی اس کا فرض دھان پیدا کر کے کھلیان میں پہنچانا تھا۔ یہ ایسا رواج ہے جو سدا سے چلا آرہا ہے۔

پھر بھی اُسے مار پیٹ کر اس کا پاؤں توڑ دینا، اس کی جھونپڑی توڑ تاڑ کر گرا دینا انصاف کی بات نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا ستیاناس کر دیا گیا ہے۔ گھڑے مٹکے وغیرہ بھی توڑ دیئے گئے ہیں۔ اُس کے بچّوں کو بھی پیٹا گیا ہے۔ بڑی لڑکی چھوٹے بچّے کو لے کر پانی میں کود پڑی، تب بھی کہا جاتا ہے، اُس پر مار پڑی! چھ ہی مہینے کے بچّے کے ساتھ اُس نے ڈبکی لگائی لیکن بچّے کو نہیں چھوڑا۔ سُننے میں آتا ہے کہ پیر ٹوٹ جانے سے گر پڑنے پر بھی جینین کی پٹائی ہوئی!

تمپوران کا یوں انسانیت کھو بیٹھنا اور بربریت دکھانا کورن کو ناقابلِ برداشت

معلوم ہوا۔ اس واقعہ کے متعلق سُن کر وہ لرز اُٹھا۔ یہی اس کا تمپوران ہے جس کا وہ کام کرتا ہے۔ امیری اور غریبی دونوں میں ہمیشہ ساتھ دینے والے تھے یہ آرد پراپر ٹر! چینن کتنے فخر سے بیان کر رہا تھا! اس نے کہا تھا تمپوران کے کھیت میں اناج اُگانے کا کام اس کا ہے...... اس کا خیال تھا کہ وہ خواہ کچھ بھی کرے تمپوران سب برداشت کریں گے! برداشت کرنے کے لئے تمپوران اس کے احسان مند ہیں۔!

چاروں طرف بھاگے ہوئے اُس گھر کے افراد رات تک بھی اکٹھے ہوئے ہوں گے کیا... کیا چینن اسی حالت میں پڑا ہوگا؟

کورن کو محسوس ہوا کہ پشپ بیلی لوگوں میں باپ دادا کے زمانے سے چلی آنے والی شفقت ذرہ بھر بھی نہیں ہے۔ جہالت میں پڑے ہوئے سچائی کے پتلے اِن پر ٹرنے تمپوران کے لئے سب کچھ نثار کرکے اُن کی بے رحم ریاکاری پر یقین کیا تھا....... اب چینن کیا سوچتا ہوگا؟ اور اس کے مرحوم باپ دادا! ...... ممکن ہے ان پر ٹر کی روحیں جو اپنے تمپوران کے لئے پیدا ہوئے، جئے اور مرے، آج پاؤں ٹوٹے ہوئے چینن کے چاروں طرف منڈلاتی ہوں گی! ان لوگوں کی ساری خدمات بے سود ثابت ہوئیں۔

کورن نے کنجی سے کہا: "ایک پہلو سے دیکھا جائے تو ہماری ساری محنت بے کار ہے۔"

"کیوں رے؟"

"ایسا ہی ہے۔ ہم جی توڑ کر کام کریں تب بھی کوئی فائدہ نہیں۔ ہم سب

مورکھ ہیں۔ میں ارکل کا داس ہوں، شپ بیلی کا ادنیٰ کارہوں، میرا تمپوران امیر ہے، ہمارے کھیت میں سب سے زیادہ فصل ہوئی۔ ہم ایسا جذبہ رکھ سکتے ہیں اور کہہ بھی سکتے ہیں۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں۔"

کنجپی نے مطلب کی ہنسی ہنس دی گویا کورن نادان بچہ ہے۔ کنجپی کو بھی کچھ کہنا تھا۔ وہ بولا ـــ ایک پرتن کو تمپوران نے چار پانچ تھپیڑ مار دیئے۔ اس کے لئے اتنا کیا سوچنا اور کہنا ہے؟ تمہارے جیسے چھوکروں کو کیا معلوم؟ تمپوران نے داسوں کو مار تک ڈالا ہے اور لاش کو پتھر سے باندھ کر ندی میں ڈال دیا ہے۔ اُن کا یہ ادھیکار ہے۔"

"اچھا، ان کا یہ ادھیکار ہے؟ یہ کیسا ادھیکار ہے جی؟"

کنجپی نے جواب دیا۔ "سنو، تمہیں لگتا ہو گا کہ مٹی اور کیچڑ میں کھڑے کھڑے بوآئی کرنے اور پانی میں ڈبکی مار مار کر باندھ باندھنے وغیرہ میں ہم اتنا کشٹ کیوں سہتے ہیں؟ لیکن تم بنا مجھے اس میں دکھ مت مانو میرے بھائی! کشٹ ہے، یہی تو ٹھیک ہے۔ لیکن پلئن اور پرتن کا جنم یوں ہی نہیں ملتا۔ پچھلے جنم کے اچھے کرموں کے بدلے ہی پلئن کا جنم ملتا ہے۔ ذرا یہ تو سوچو، دیس بھر کے لوگوں کے لئے اناج اگانے کا کام کون کرتا ہے؟ پرتن اور پلئن ہی تو۔ تم کہتے ہو کہ کیا فائدہ۔"

کورن کے ذہن میں یہ فلسفہ نہ گھسا۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ "پشتوں سے خدمت میں لگے ہوئے پریوں کے بیٹے کو مار پیٹ کر مالک نے جب اس کا پاؤں توڑ دیا تب کچھ غلطی ہو جانے پر کل کے آئے کورن کا وہ

کیا کریں گے؟"

کنچی نے آگے کہا "اگلے جنم میں ہمارا بھلا ہوگا۔ ہاں، ایک بات ہے۔ چینن کو کچھ زیادہ سزا ملی ہے۔ اتنا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ سنو بھائی، پرانے زمانے کے مالک اب نہیں رہے۔ وہ اس طرح کبھی مار دیتے تو خود بھی رو دیتے، خود سیوا بھی کرتے تھے۔ وہ داسوں کو اپنے گھر کے لوگ ہی مانتے تھے۔ ایک بچے کے جنم پر، نام سنسکار اور بیاہ وغیرہ کا سارا خرچ وہی لوگ اٹھاتے تھے، اُن دنوں تمپوران نے اگر کسی کو پیٹا تو اس کی قسمت ہی چمک اٹھتی تھی۔ لیکن اب تو حالت سب بدل گئی ہے۔"

کورن جانتا تھا کہ یہ سب باتیں کس قدر سچ ہیں۔ جب اس کے دادا کا انتقال ہوا تھا تب اس کے تمپوران کے ہی گھر سے اس کی کریا کرم کا سارا خرچ آیا تھا۔ ارکل کے بڑے تمپوران نے لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر ساری رسمیں خود ادا کرائی تھیں۔ جب لاش دفنائی جا رہی تھی تب بے چارے بوڑھے تمپوران رو پڑے تھے۔

یہ سب ٹھیک ہے۔ پرانے زمانے میں کٹناٹ کے کسانوں اور ملیچن کے درمیان ایک دلی رشتہ قائم تھا۔ اُن دنوں میں وہ سب ایک مشترکہ خاندان کے افراد جیسے تھے۔

کنچی نے مزید کہا "اُن دنوں مالک ران کے نیچے ہی مارتے تھے۔ مارتے وقت اگر غلطی سے اور کہیں چوٹ لگ جاتی تو وہ اس کے خاندان کی وہ خود دیکھ بھال کرتے تھے۔"

کنجتی پرانے حالات تفصیل سے بیان کرنے لگا۔ پہلے کی حالت کیسی تھی، معلوم ہے؟ سنو! باڑھ کے دنوں میں بغیر کام کے گھر میں جب بیٹھنا پڑتا تھا تب وہ اُدھار کے نام پر دھان دیتے تھے۔ پھر ساون کی اماوس، جیٹھ میں ہونے والے تِرُوَتِرّا جیسے موسم تہوار اور اونم[1] اور مکم[2] وغیرہ تہواروں کے موقع پر خاص طور پر انعام دیتے تھے۔ روز کی مزدوری اُن دنوں سوا دو سیر رہتی تھی۔ دوپہر کو کنجی[3] بھی دیتے تھے۔ بٹائی شروع ہونے پر کام کرنے والے کی آمدنی کتنی ہوتی تھی، یہ بھی سنو گے کیا؟"

کورن نے کہا: "پرانی باتیں سننے سے اب کیا ملے گا؟ پھر بھی سناؤ۔ میں سننا چاہتا ہوں۔"

کنجتی کو ایک ایک کر کے سب باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اسے انھیں محض یاد

---

[1] ملم ایک ستارے کا نام ہے اس دن کا تہوار۔ خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

[2] اونم کیرالا کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھدر کال کا راجا مہابلی جس نے اپنے راج کی ساری زمین وشنو کے وامن اوتار کو دان دے دی تھی، اس روز اپنی پرجا کو دیکھنے آتا ہے۔ ان کے استقبال کے طور پر لوگ خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ اچھوتوں کو نئے کپڑے دیتے ہیں تاکہ مہابلی اُنھیں دیکھ کر خوش ہوں۔

[3] ساون کے مہینے مکم تارے میں اونم جیسا ہی ایک چھوٹا سا تہوار منایا جاتا ہے۔

[4] پتلی مانڈ۔ جس میں بھات کا معمولی عنصر ہوتا ہے۔

کرکے لطف آرہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ جوش میں آگیا اور بولا "کھیت کی پیداوار سے حق کے طور پر مزدوروں کے لئے کتنا اناج ملا کرتا تھا، تاڑی پینے کے لئے آنٹی، روزانہ خرچ کے لئے آنٹی، اس کے علاوہ بچے کچے ہوں تو" ان کا چنا ہوا" کہہ کر جتنا وہ اٹھالیں سب مل جاتا تھا۔"

"ایک بات رہ گئی۔ بوآئی میں ڈالا گیا بیج اور کھود کھاد ملا کر پانچ پنیری بیج اور ملتا تھا۔ اتنی آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن اُن دنوں کھیتی کا مقصد مالک کی آمدنی نہ ہو کر مالک اور داس کا نباہ کرنا ہوتا تھا۔ لیکن آج؟ تم جانتے ہی ہو۔ دھان اُپجاتے ہیں ہم، لیکن تمپوران ہم لوگوں کو مزدوری میں دھان نہ دے کر بیج دیتے ہیں۔ اُن دنوں تمپوران لوگ ہماری عورتوں کو آنکھ اٹھا کر دیکھتے تک نہیں تھے۔ لیکن آج چھوٹے تمپوران لوگ ہماری جوان لڑکیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔"

کنجّی کی طویل گفتگو اور اس تقابل نے کورن کی قوتِ فکر کو بیدار کر دیا۔ سب ٹھیک ہے لیکن تمپوران اور داسوں کے باہمی تعلق کو اقرار نامے کے ذریعے طے کرنے کے باوجود اگر تمپوران اس زمانے میں بھی داسوں کو مارتے ہیں۔ مزدوری ٹھیک طرح نہیں دیتے اور چھوٹے تمپوران اُن کی عورتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تو کیا کرنا چاہیے؟

۸

پشپ بیلی یوسف کے تمام کھیتوں میں سے پانی نکال کر بوآئی کر دی گئی۔ مزارعوں کے درمیان اس بات کو لے کر بحث ہونے لگی کہ کس کے کھیت کی بوآئی سب سے اچھی ہوئی ہے۔ آپس میں ہاتھا پائی تک ہو گئی۔

کنجپی کی شکایت تھی کہ اس کا کھیت اچھے مہورت میں نہیں بویا گیا۔ ایٹائی کی شکایت تھی کہ اس کے کھیت کا بیج اچھا نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تمپوران سے کھسیا بھی گیا۔ اچھا بیج نہیں ہے تو کھیتی ہی نہیں کرنی چاہیے۔ جب جڑ ہی اچھی نہیں ہوگی تو فصل کیسے اچھی ہو سکتی ہے؟

شروع ہونے پر کٹناٹ کے تمپوران لوگ اس قسم کی پھٹکار چپ چاپ سن لیا کرتے تھے۔

پہلے کا پانی نکال دینے پر یہ پتہ چل گیا کہ کون کون کھیت اچھے ہیں اور کون کمزور۔ سب کھیتوں میں کورن کی کھیتی کو ہی مکھیا نے سب سے بڑھیا بتایا۔

کورن کے لئے وہ تہوار جیسا دن تھا۔ ایک کھیت کی پوری ذمے داری اپنے اوپر لے کر کام کرنے کا اس کے لئے وہ پہلا ہی موقع تھا۔ کھیتی کا کام کرنے والے پرانے تجربے کار مزدوروں کے رہتے اُسے پہلا درجہ حاصل ہوا۔ اس روز اس نے تاڑی پی، بھرپیٹ پی۔ اس دن آدھی رات کو اس کھیت کے ایک دور کے کونے سے ایک گیت کی آواز بلند ہوئی اور چاروں طرف پھیل گئی۔ اگل بغل کے رکھوالوں نے بھی اُسے دوہرایا۔

اس کھیت کے درمیان کی مینڈھ پر سے اپنی بغل میں تھیلی دبائے جب وہ ادھر اُدھر آتا جاتا تھا تب دھان کے پودوں کے پتے ہوا میں جھوم جھوم کر ایک شیریں سرسراہٹ کی آواز پیدا کرتے تھے گویا وہ اُسے پہچانتے ہوں۔

کورن دوسرے رکھوالوں کو بھی نصیحت کرنے لگا کیونکہ اس بات میں اب کچھ بھی شبہ نہیں تھا کہ اسے بھی کھیتی کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ کتنی ہی زبردست باڑھ ہو نہ ٹوٹنے والا باندھ باندھنے، ڈھال دیکھ کر نالا بنانے، کونپل دیکھ کر دھان کی اچھائی کا اندازہ لگانے، دھان کی خرابی دیکھ کر اس کے سبب سمجھنے وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں اُسے معلوم تھیں۔

کورن کے ساتھی اس سے حسد کرنے لگے۔ پونیتی کو معلوم ہے کہ اُس کا کھیت کیوں خراب ہو گیا۔ بوآئی کے بعد پانی نکالنے میں دو دن کی دیر کر دی تھی۔ جس دن کھیت سکھایا گیا اُس دن بارش بھی ہوئی۔ کھیت میں کھاری مٹی نکلی۔ یہ سب اُس کی غلطی نہیں تھی۔

پونیتی تمپوران کے گھر پہنچا۔ اُس نے اس دن یوسف کو جگایا،

اس سے پوچھا۔ "میری کیا عمر ہوگی، تمرا[1]؟"

"کیا بات ہے رے؟ بتا۔"

"بڑے تمرا کے وقت ہی سے میں کام کرنے والا ہوں نا؟"

"اس لئے؟"

پونیٹی نے بوجھل دل سے کہا۔ "مجھے اب تک اتنی بے عزتی برداشت نہیں کرنی پڑی تھی۔"

پونیٹی نے اپنی شکایت سنائی۔ اس نے اب تک اچھا کام کرنے والوں میں اپنا نام بنائے رکھا تھا۔ اس سال اُسے کبھی نہ مٹنے والی بے عزتی برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔ اس کا کھیت سب سے خراب نکلا ہے۔ اس کے لئے تمپوران ہی ذمّے دار ہیں۔ اُنھوں نے جان بوجھ کر اس کے ساتھ بے انصافی کی ہے۔

یوسف ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

پونیٹی نے مزید کہا "کہیں سے ایک چھوٹا چھوکرا آیا۔ مالک نے ضرورت کے مطابق اس کی مدد کی۔ اس کا کھیت پہلے درجے کا نکلا۔ باپ دادے کے وقت سے کام کرنے والے ہم سب ہی نالائق نکلے۔"

یوسف کی سمجھ میں بات آ گئی۔ پونیٹی کو دُکھ اپنے کھیت میں اچّھی فصل نہ ہونے کے باعث ہے۔ اُنھوں نے پوچھا۔ "اس کے لئے اب تُو کیا کرنا چاہتا ہے؟"

---

[1] تمپوران۔

"کھیت میں ڈالنے کے لئے گوبر اور راکھ چاہیئے"

یوسف نے مان لیا۔ لیکن پونٹی کے جانے کے بعد کورن آیا۔ اس کی بھی ایک درخواست تھی۔ اس کے کھیت میں تھوڑی سی کھاد اور ڈالی جائے تو فصل زیادہ اچھی ہوگی۔ یوسف نے یہ بھی مان لیا۔ یوں شپ بیلی یوسف کی کھیتی روز بروز ترقی کرتی گئی۔ کھیت وقت پر دھوپ اور پانی پاکر اور کھاد کے باعث ہرے بھرے لہرانے لگے۔

بوآئی شروع ہوئی۔

عورتیں اس ہریالی کے درمیان کھڑی ہو کر قطار میں بوآئی کا کام کرتی ہیں۔ گانا بھی چلتا ہے اور اس کی تال کے ساتھ بوآئی کا کام بھی۔ جب ایک چھند ختم ہوتا تب سب کا ہاتھ ایک ساتھ اٹھتا اور ایک ساتھ پھر بوآئی میں مصروف ہو جاتا۔

ایک ساتھ مل کر کام کرنے والوں کو اس کام میں ایک خاص لطف محسوس ہوتا ہے اور ایک طاقت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ ان گیتوں سے رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہے۔ اس کی لے دل کو ہلا دیتی ہے۔ گانے کا سُر جیسے جیسے تیز ہوتا جاتا ہے تال بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور کام بھی ساتھ ہی ساتھ اتنی ہی تیزی سے ہونے لگتا ہے۔

کورن نے اس دن بھی پی تھی، بھر پیٹ پی تھی۔ گانے والی چپ ہوتا تھی۔ اس کے خوش گلو سے میٹھی تان پھوٹ نکلی۔ باقی سب نے اسے دہرایا۔ گیت کا موضوع کسی نامعلوم شاعر کی لکھی ہوئی محبت کی ایک کہانی تھی۔ ایک پرتن کی

ایک پری نے سے محبت کرنے کی کہانی تھی۔ بیچ بیچ میں کورن بھی اس کے پاس جا کر تال دے کر ساتھ ساتھ گانے لگتا۔ اس گانے میں ایک ایسا مقام تھا جہاں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے باتیں کرتے ہیں۔ اس میں ہیروئن کچھ پوچھتی ہے اور ہیرو جواب دیتا ہے۔ اس طرح کام کرنے والے گیت میں محو ہو کر کڑاکے کی دھوپ محسوس کئے بغیر کام کرتے رہے۔

تمپوران کا بیٹا چاکو وہاں پہنچ گیا۔ کام کرنے والوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا۔ وہ گاتے ہوئے کام میں مست تھے۔

یکایک کورن کا گانا رک گیا۔ وہ کانپ اٹھا۔ چاکو چیروتا کے پیچھے کھڑا تھا۔ کورن کو کنجپی کی اس دن کی بات یاد آگئی۔ اس کے کان میں وہ الفاظ گونج اٹھے۔
"چھوٹے مالک لوگ لڑکیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔"

کورن نے کہا "اے چھوٹے مالک، ادھر کیوں کھڑے ہو؟ ادپر آئیے۔"

چاکو وہاں سے چلا گیا۔ عورتیں اس وقت بھی گا رہی تھیں اور بوآئی میں مصروف تھیں۔ کورن نے نہیں گایا۔ اس کا جوشش ایک دم سرد پڑ گیا۔ تاڑی کا نشہ بھی اس وقت ہرن ہو چکا تھا۔ رفتہ رفتہ اسے تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔

۹

کورن کے کھیت میں دھان خوب اچھا ہو کر بڑھ رہا ہے۔ یوسف کے دوسرے کھیتوں میں بھی فصل اچھی ہے لیکن سب سے اچھی کورن کی ہے۔

ایک رات کو چرِدتا بیٹھ کر کورن کو کھلا رہی تھی۔ وہ آج ایک چھوٹا لڑکا نہیں ہے۔ مکمل انسان، ایسا پرش ہے۔

کورن کو اس دن کی بھاجی بہت اچھی لگی۔ وہ بیٹھ کر من سے کھا رہا تھا۔ خاوند کو خوشی سے کھاتے دیکھ کر چرِدتا خوشی سے اور بھی پروستی جاتی تھی۔

"تھوڑا بھات اور پروسوں؟"

"ہوں۔"

"کتنے دن ہوئے بیٹھ کر ٹھیک طرح سے پیٹ بھر کر کھائے؟ اب باندھ پر ہی برابر کھانا پینا ہوتا ہے۔"

چرِدتا نے تھوڑا بھات اور بھاجی اور پروس دی۔ کورن نے کہا "ایسے کام کا پھل بھی تو کھیت میں دیکھنے کو مل جاتا ہے۔"

چرِدتا نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اس کی خاموشی توجہ کے قابل تھی۔ محسوس ہوتا تھا کہ اُسے بہت کچھ کہنا ہے۔

کورن نے پوچھا۔ "تم ایسا نہیں مانتیں کیا؟"

"کونسی بات؟"

"جو میں نے کہی۔"

"اُو"

"کیوں "اُو" کے کیا معنی؟"

چرِدتا کو محسوس ہوا کہ اس نے جو کہا وہ کورن کو اچھا نہیں لگا۔

اس نے کہا۔ "میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں!"

"تم کچھ نہیں بولتیں۔ کھیت کی بات ہوتی ہے تو تم بالکل چپ ہو جاتی ہو۔ ہنستی بھی رہتی ہو تو اس وقت تمہاری ہنسی غائب ہو جاتی ہے اور تم گمبھیر بن جاتی ہو۔ یہی دیکھا کرتا ہوں۔"

چرِدتا کو جو کچھ کہنا تھا اس نے اس کے دل میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ لیکن کیا وہ کہنے لائق ہے؟ پتی کو اچھا لگے گا؟ اب تک اس کے منہ سے پتی کی ناپسند کا ایک بھی لفظ نہیں نکلا تھا، کہنے کے لئے تو بہت کچھ ہے۔ اب وہ دل میں دب کر رہے گا بھی نہیں۔ اس وقت بھی وہ دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

دو مرتبہ اس نے خاوند کے جذبات کو تاڑنے کے لئے اس کی طرف دیکھا۔ "جب میں کہتی ہوں تب شکایت ہوتی ہے۔ اس طرح "کھیت کھیت" سوچ کر جی توڑ کر کام کرنے سے کیا ہوگا؟ آج کتنے دن کے بعد گھر آنا ہوا ہے؟

نہ ٹھیک سے کھاتے ہو نہ آرام کرتے ہو۔ اس طرح کام کرنے سے اگر کہیں بیمار پڑ گئے تو کیا ہوگا؟ میں نے بھی ادمپنی کار دیکھے ہیں۔ باپ رے باپ! کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا۔ ایک بار دیکھنے کے لئے بھی جی ترس کر رہ جاتا ہے۔ اب بھی ہاتھ دھونا ہے تو باندھ پر جاکر ہی ہاتھ دھوؤ گے۔"

کورن سب سمجھ گیا۔ بولا "ٹھیک ہے۔ تم جو کہتی ہو سب ٹھیک ہی ہے، لیکن تم اس کھیت کو جاکر ایک بار دیکھ لو! دھان دیکھ کر وہاں سے آنے کا من نہیں کرے گا۔"

"دھان کھیت میں اپنے آپ بڑھے گا۔"

"تم سے کیا کہوں؟ تم پنچا کھیت میں کام کرنے والی پرئن کی لڑکی نہیں ہو۔ اس لئے اس طرح کہتی ہو۔ کھیت میں دھان اُگانے کا کام پرتر کا ہی ہے۔"

چرِدتا بھی ذرا کھسیائی۔ اس کے باپ نے بھی ادمپنی کار بن کر کھیت میں کام کیا ہے۔ وہ بھی ایک بڑے گھرانے کا داس ہے۔

چرِدتا کی خودداری کو ٹھیس لگی۔ اس نے کہا "او! پنچا کھیت اور اُس میں ہونے والا کام میں نے بھی دیکھا ہے۔ ہم بھی ایک بڑے گھرانے کے داس ہیں۔ بوآئی کے بعد کام کرنے والوں کو ہمیشہ کھیت میں پڑے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پنچا کھیت کا کام کرنا جن کو معلوم نہیں ہے وہی وہاں پڑے رہتے ہیں۔"

کورن کو غصہ آگیا۔ اُس نے کہا "تو کیا، بیج ڈالنے کے بعد گھر آکر تمہارے ساتھ پڑا رہوں؟"

"یہی میں نے کہا؟ اتنی تکلیف اٹھا کر کام کرنے سے کہیں بیمار پڑ جاؤ گے

تو اُس وقت مدد کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ اس وقت میں ہی پاس رہوں گی۔"

"پنچا کھیت میں پرتن باندھ پر رہتا ہے تو اس کا اثر ہی اور ہوتا ہے۔ اس وقت دھان خاص طور پر بڑھتا ہے۔"

چرد تا کو کچھ اور بھی کہنا تھا وہ سوچتی رہی "خیر، اس طرح کام کرتے رہنے سے فائدہ کیا ہے؟"

"کیوں، ایسا کیوں کہتی ہو؟"

"دھان ہونے پر سب تمپوران ہی تولے جائیں گے۔ یہی سوچتے ہو کہ وہ ہمارے مالک ہیں۔"

کورن کو تھوڑی دیر کے لئے جواب نہیں سُوجھا کیونکہ گھنے دھان کے کھیت کو لہلہاتے دیکھتے ہوئے بھی ایک خیال اُسے پریشان کر دیا کرتا تھا۔

دھان اُگانا داسوں کا کام ہے۔ کھیت میں دھان ہونا ہی ہے۔ تمپوران کے ساتھ اس کا تعلق ایک آٹھ آنے والے کاغذ پر لکھ کر طے کیا ہوا ہے۔ وہ اس کے مالک ہیں۔ کیا مالک داس کو کبھی اپنا سمجھ سکتا ہے؟

چرد تا کے کہنے کے مطابق اگر وہ چار دن بیمار پڑ جائے تو؟ زندگی کا کیا ٹھکانا؟ ..... جیسا اس نے کہا ہے کھیت میں کتنا بھی دھان ہو، اس سے کیا فائدہ؟ اس اقرار نامے کے مطابق اُسے جتنا پانے کا حق ہے اتنا ہی تو ملے گا۔

پھر بھی اس کھیت کی رکھوالی کا کام بھی تو اس کا ہے۔ اس نے اس میں دھان بویا اور بڑھایا ہے۔ اس ہرے بھرے کھیت کو دیکھتے ہی وہ باقی سب کچھ بھول جاتا ہے۔ وہ ایک پرتن ہے نا!

چر دتا کو کچھ ٹھیک جواب نہ دینے کے باعث وہ تذبذب میں تھا۔
چر دتا نے مزید کہا "میں کہتی ہوں مجھے یہ سب تمپوران اچھے نہیں لگتے۔
یہ سب بڑے خود غرض اور لالچی ہوتے ہیں۔"
کورن اس بات کو بھی نہیں کاٹ سکا۔
وہ پھر بولی: "مینھ کے پانی سے زمین اُٹھا اُٹھا کر اس پر جھونپڑی بنائی ہے؟"
"نہیں تو پھر کہاں جائیں گے؟"
"اس سال کی کمائی لے کر ہم اسے چھوڑ کر یہاں سے کہیں چلے جائیں
تو ہرج؟"
"کہاں؟"
"کہیں بھی۔"
لیکن کورن کو یہ منظور نہیں تھا۔ کہیں جانے پر بھی تو ایک نئے تمپوران سے تعلق جوڑنا پڑے گا۔ اس سے اچھا ایک سال کا واقف تمپوران ہی ہے۔ اتنا ہی نہیں، وہ پشتوں میں بڑا کسان بھی ہے۔ اس کے ماتحت کئی داس ہیں۔ وہ بھی اُنھیں کا داس رہے تو ہرج کیا ہے؟ کورن نے کہا۔
"سنو، اسی طرح سب داس بنتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو اُن کے پاس چار پانچ ہزار کی کھیتی تو ہے۔"
"جو بھی ہو، مجھے پسند نہیں ہے۔ بڑے تمپوران سے تو کسی طرح نپٹ سکے گی لیکن جب اُن کے بیٹے کا وقت آئے گا تب یہ کام ہمیں نہیں چاہیے۔ اس کے پہلے ہی ہمیں ہٹ جانا چاہیے۔"

پر دتا کے لہجے سے ایک خوف کا گمان ہوتا تھا۔ وہ کس وجہ سے تھا یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کورن کے دل میں تشویش پیدا ہو گئی۔

"کیوں ری، چھوٹے تمپوران خراب ہیں کیا؟"

"اُن کا گھورنے کا ڈھنگ، چال، گفتار سب کھوٹے پن سے بھرا رہتا ہے، وہ خراب ہی معلوم پڑتے ہیں۔"

دور سے آنے والی خوفناک گرج سنائی دی کورن دوڑ کر باہر گیا۔ لوگ چلا رہے تھے "باڑھ آگئی۔ باڑھ آگئی!"

کورن ہی کے کھیت کا باندھ ٹوٹا تھا۔ باندھ ٹوٹ کر پچاس فٹ دور چلا گیا تھا۔ رات دن پچاس ساٹھ مزدوروں کی مسلسل کوشش کے بعد وہ باندھ پھر کسی طرح باندھا جا سکا۔ اس دن سمندر میں زوروں کا جوار اُٹھا تھا۔

اس دن سے پانی نکالنے کے چار انجن لگا کر کھیت میں سے پانی نکالا جانے لگا۔ دو دن میں کھیت ٹھیک ہو جائے گا، یہ یقین ہو گیا۔ دھان دو دن پانی میں ڈوبا رہے تو اچھا ہی ہو گا۔ کھیتی کے ماہروں کی یہی رائے تھی۔

پھر بھی رکھوالے کی غلطی پکڑی جائے گی۔ باندھ ٹوٹ گیا۔ یہ اس کی لاپرواہی سے ہوا نا؟ اس سے بھی بڑھ کر تمپوران پر فالتو خرچ جو پڑ گیا۔ فصل بڑھیا ہونے پر خرچ کاٹ کر بھی ایک اچھی رقم آمدنی میں ملے گی سہی۔ تو بھی داس کی غلطی نکالنے کے لئے یہ ایک اچھا موقع ہاتھ لگا۔

تین چار دن تک ڈھونڈنے کے بعد ہی یوسف کورن سے مل سکے باندھ کے ٹوٹتے وقت وہ کھیت میں نہیں تھا۔ اس کا اس وقت کسی اور جگہ

جانا اس کی غیر ذمّے داری کو ظاہر کرتا ہے۔ انھوں نے ایسی شکایت کی۔

کورن باہر نہیں نکلتا تھا۔ ان دنوں ساتھیوں نے تمپوران کی نظر بچا کر رہنے کی رائے دی۔ غصّے میں نہ جانے کیا کر بیٹھیں۔ ایک ہفتہ بعد جب دھان پھر لہرانے لگے گا تب ملنا ٹھیک ہوگا۔

کورن کو باہر نکلنے میں شرم محسوس ہوتی تھی۔ اس پر ایک بڑا بھاری الزام لگ گیا تھا۔ باندھ گرنے کا کوئی خاص سبب تھا۔ پنچا کھیت کا تقدّس جھوٹ نہیں ہے۔ وہ گھر جا کر ناپاک ہو کر باندھ پر گیا تھا، اِسی لیے باندھ ٹوٹ گیا۔

ایک بڑھیا پرنی نے کہا "جوان ہی تو ہیں دونوں!"

۱۰

ایک دن سویرے مندروں اور گرجوں میں مسرت خیز گھنٹیاں بجنا شروع ہوئیں۔ کچھ خاص بات تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بالغوں کو ووٹ کا حق ملنے کی خوشی منائی جا رہی ہے۔

پلیٹرا اور پریٹر کو اب معلوم ہوا کہ ریاست بھر میں تمپوران لوگ سبھائیں کیوں کرتے تھے اور جھنڈا لے کر کنارہیں جلوس کیوں نکالتے تھے اور کیوں کئی بڑے تمپوران جیل گئے تھے۔ کہیں کہیں لوگ پیٹے گئے تھے اور گولی سے بھی گھائل ہوئے تھے۔ یہ سب اُن دنوں سُنا تھا۔ سب اسی کے لئے تھا۔

کورن کو ایک بات کہنی تھی، پچھلے "ووٹ" کے موقع پر (تب سب کو ووٹ دینے کا حق نہیں تھا۔) اس نے ووٹ دینے والوں کو اپنے ارکل تمپوران کے قول کے مطابق کشتیوں میں سوار کر کے کالج میں پہنچایا تھا۔ کنجن نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

کورن نے کہا۔"اس دن بڑا مزا آیا۔ پوچھتے ہی ناؤ پر چڑھا تھا۔ کافی

چاہو تو کافی، تاڑی مانگنے پر تاڑی، کھانے کے وقت کھانا، سب ملا۔ شام کو تمپوران نے یہ کہتے ہوئے کہ "تمھیں بھی ووٹ کا حق ملنا چاہیے" دس روپے اوپر سے دیئے تھے۔ اس وقت میرے تمپوران ہی جیتے"۔

کنجی نے کہا۔ "ووٹ کے ایک مہینہ پہلے سے ہی میرے تمپوران کے گھر میں تاڑی اور ماس خوب چلتا تھا۔ مرغی اور بطخ کاٹنے کا کام میں ہی کرتا تھا۔ میرے تمپوران ہی جیتے"۔

تب شمّن نے کہا۔ "رے، ووٹ دینے والوں کو پیسہ بھی خوب ملا تھا"۔

وہ بھی سچ مانا گیا۔ کورن نے اپنے تجربے کی ایک بات سنائی۔ "لیکن سب کو برابر برابر نہیں دیا گیا تھا۔ کچھ کو ایک روپیہ، کچھ کو دو سے دس روپے تک دیئے گئے۔ ہمارے گھر کے پاس ایک تمپوران کے گھر میں چار لوگوں کے ووٹ تھے۔ میرے مالک نے پندرہ روپے طے کئے اور آخر میں پچیس دیئے۔ مجھے بھی انعام ملا۔"

کسی خیال میں مبتلا شمّن نے پوچھا۔ "تب تو اس بار ہم لوگوں کو بھی پیسہ ملے گا؟"

"ہاں، ضرور ملے گا"۔

"ایسا ہے تو اچھا ہی ہے"۔

آسمان کو دہلانے والے تیز بارود کے گولے کی آواز سے ساری فضا گونج اٹھی۔ تمپوران نے اپنے اپنے مزارعوں کے گھر میں جاکر اطلاع دی کہ اس دن خوشی منانی چاہیے۔

اس دن کشتیوں میں سیر کا پروگرام بنا۔ سولہ بڑی اور بہت سی چھوٹی کشتیاں سجانے کا فیصلہ ہوا۔ پریئے اور پلپئے سب اچھے سفید کپڑے پہن کر کشتیوں کی اس سیر میں شامل ہوئے۔

دوپہر کے بعد کشتیوں کی سیر شروع ہوئی۔ کشتیوں پر ترنگے جھنڈے لہرائے گئے۔

کنجتی نے کورن سے پوچھا۔ "یہ کیسا جھنڈا ہے رے؟"

کورن کو معلوم نہیں تھا۔ پہلے تمپوران لوگ جب سبھائیں کرتے تھے تب اس نے اس قسم کا جھنڈا دیکھا تھا۔

"عیسائیوں کا جھنڈا ہے کیا؟"

"تب تو اس میں سولی (کراس) کا نشان ضرور ہوتا۔"

"مندر کا جھنڈا ہے کیا؟"

"چھی!"

"گوروں کا جھنڈا ایسا نہیں ہوتا کیا؟"

"نہیں، لیکن یہ دیکھنے میں اچھا لگتا ہے۔"

باہر سے آنے والوں نے کشتی چلاتے وقت جو گانا شروع کیا تھا اُسے وہ دوہرا نہیں سکے۔ سب کشتیوں پر ایک ہی گانا۔ آپس میں مقابلے کی کوئی بات نہیں۔ گانا بالکل نیا۔ اسی طرح "آرپوبلی"[1] کی جگہ پر "جے" لفظ کا استعمال۔ آج

---

[1] ایک قسم کا نعرۂ مسرت جو خوشی منانے وقت مرد لگاتے ہیں۔ عورتیں بھی ایسے موقع پر (باقی)

تک کشتی کی سیر میں "مزہ" کا لفظ نہیں سنا تھا۔

کشتیوں کی سیر کے بعد گرجے کے سامنے والے میدان میں جلسہ ہوا کئی تمپورانوں کی تقریریں ہوئیں۔ بہت سے لوگ جمع ہوئے تھے پرییۓ اور پلیے اس دن پہلی مرتبہ تمپورانوں کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھے۔

بڑی جوشیلی تقریریں ہوئیں۔ بڑے فخر کا دن تھا۔ دیس نے کتنی تکلیف سہی اور کتنا بھاری ایثار کیا وغیرہ بہت سی باتیں کہی گئیں۔

جلسہ برخاست ہوا۔ سب پرییۓ اور پلیے جمع ہوئے۔ ان تقریروں پر رائے زنی ہونے لگی۔

کنجی نے پوچھا۔ "سب برابر ہیں" یہ کیسے ہو سکتا ہے کورن؟ ہم اور تمپوران سب برابر ہیں؟"

اٹیانی دن بھر کی محنت کے بعد اونگھ رہا تھا، وہ بول اٹھا:۔

"سبھا میں بولنے والے سب ایسا ہی کہتے ہیں۔ ایک بار میں نے ایک تمپوران کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ "تمپوران اور پریر دونوں کا خون ایک ہی جیسا ہے۔ موقع موقع پر یہ لوگ ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔"

کورن نے جواب دیا۔ "یہ سب ٹھیک ہے لیکن آج تو لوگوں نے بالکل نئی باتیں کہیں۔ ہمیں اب ووٹ مل گیا ہے۔ تب تو بات ٹھیک ہی ہو گی۔"

کنجی نے کہا۔ "اس بڑے تمپوران نے دیوان تمپوران دریاست کے

(بقیہ) خوشی کی آوازیں منہ سے نکالتی ہیں جسے "باکلا" کہتے ہیں۔

دیوان) کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سنا تھا نا؟"

"اس وقت انھیں بہت غصہ آگیا تھا۔"

بیک وقت سب کے دل میں مناسب خیال پیدا ہوا۔" آگے ہمیں لوگ اپنا کام سنبھالیں گے؟"

ایک نے کہا۔" تو کیا راجا کی ضرورت نہیں ہوگی؟"

"نہیں ہوگی۔"

"تب تو مار پیٹ اور ڈکیتی کا راج ہو جائے گا۔ آج راجا کے رہتے ہوئے بھی جب کسی کو چین نہیں ہے، جب راجا نہیں رہے گا تب کیا حال ہوگا؟ پولیس اولیس کچھ نہیں رہے گی؟"

"کیا جانیں، اس الٹ پھیر کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

کورن نے کہا۔" مجھے ایک دوسری بات پر اچرج ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ سب کی بات پر دھیان دیں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمیں مزدوری زیادہ ملنی چاہیئے' یہ بات کہنے پر کیا سرکار ہمیں تمپورالوں سے زیادہ دلوائے گی!"

شمتل کو یہ سن کر ہنسی آئی کہ کیسی بے وقوفی کی بات کر رہا ہے۔

"ارے، تم کیا کہہ رہے ہو؟ مزدوری سرکار کیوں دلائے گی؟ اس میں سرکار کا کیا کام ہے؟ مزدوری تمپورالوں سے ہمیں خود لینی ہے۔"

سب کو شمتل کی بات ٹھیک معلوم ہوئی۔ سرکار کا یہ کام نہیں ہے۔ ان باتوں میں سرکار ہاتھ نہیں ڈالے گی۔"

کورن کا چہرہ ذرا اتر گیا۔ سچ مچ جیسا دوسروں نے کہا" اس میں سرکار

کا کیا کام ہے؟" پھر بھی اُس نے بات چھوڑی نہیں۔ بولا۔" سرکار کو ہمیں مناسب مزدوری دلانی چاہیے، یہی میرا کہنا ہے۔"

تب ایک نوجوان نے کہا "ایک تمپوران نے یہ بھی کہا تھا۔ وہ چھوٹی عمر کا تمپوران تھا۔ مجھے اس کی تقریر سب سے زیادہ پسند آئی۔"

شمّل نے بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے کہا" تم لوگ پاگل ہو گئے ہو کیا؟ سرکار ہماری باتوں پر دھیان نہیں دے گی۔ سرکار کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ تقریر کرنے والے تو اب تمپوران کے گھر میں دعوت اُڑاتے ہوں گے۔"

"اُڑانے دو بابا۔ دھان راتوں رات پانچ روپے پنسیری جو بکتے ہیں۔"

"ارے یہ بات نہیں ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تقریر کرنے والے سب تمپورانوں سے پیسہ لے کر پھر ایسی بات نہیں کہیں گے۔ وہ اُن کی خواہش کے مطابق ہی کام کریں گے۔"

اُونگھتے ہوئے ایتائی پھر بولا۔" یہ لوگ تاڑی خانہ بند کروا رہے ہیں۔"

شمّل گھبرا گیا۔

"بھوکے پیاسے لوٹتے وقت ایک شام کا کام چل جاتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکے گا کیا؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

ایک نوجوان کے دل میں اُس دِن کی تقریروں سے ایک بات اُٹھی۔

اس نے کہا: "ایک بولنے والے نے کہا کہ نائر تمپوران اور ماپل تمپوران (ہندو اور عیسائی مالکوں) کا آپس کا جھگڑا ختم ہو گیا۔ اِن لوگوں میں پہلے کوئی جھگڑا تھا کیا؟"

کورن کو بھی تقریر سنتے وقت یہ شُبہ ہوا تھا اُس نے بھی یہی سوال دُہرایا۔

شمنل نے جواب دیا "سب فضول کی باتیں ہیں، بچے! سب بےکار! کھیت اور زمین لکھتے وقت اور کھیت آباد کرنے کا اقرار نامہ لکھتے وقت بڑی تنا تنی اور جھگڑا ہوا کرتا ہے۔ وہ امیروں ہی کے درمیان۔ دیکھو، اس دکھنی کھیت کے جو ماتھو (میتھوئی) اور ماتو (مادھو) تمپوران ہیں۔ ان دونوں میں کتنی محبت ہے؟ غریب نائروں اور غریب عیسائیوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

اٹیاقی نے یہ مان لیا جھگڑا امیروں ہی کے درمیان ہوتا ہے۔ لیکن اپنے طبقے میں عام مفاد کی بات جب آتی ہے۔ تب سب کا آپس میں خوب اتفاق رہتا ہے۔ صرف 'ماتھو' اور "ماتو" ہی نہیں اور سب اور گو بندن نائر ایشیر (آتپ) اور کٹ پلے (کرشن پلے) ایسے کئی لوگوں کے نام بھی اٹیاقی نے سُنائے۔ یہ سب کبھی الگ نہ ہونے والے دوست تھے۔

کورن سب دھیان سے سُن رہا تھا۔ اُس نے اب اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"یہ سب جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔ میں کہتا ہوں کہ نائر عیسائی کو گالی دیتا ہے، اور عیسائی نائر کو۔ لیکن اصل میں دو ہی طبقے ہیں۔ ایک امیروں کا اور دوسرا غریبوں کا۔ اس دن ایک عیسائی تمپوران ہی کو ہمارے تمپوران نے پولیس کی مدد سے

گھر سے نکال دیا تھا کیونکہ اُنھیں اپنے قرض کا پیسہ واپس نہیں ملا تھا۔ سو جہاں دھن اور دھان کی بات آتی ہے وہاں ذات کے باعث کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

ایک دوسرے نوجوان کو کچھ اور کہنا تھا۔ "یہ ٹھیک ہے۔ کہ اس علاقے کے غریب نائر اور عیسائی آپس میں پریم سے رہتے ہیں، پھر بھی ہمارے ساتھ وہ امیر تھیوّرالوں ہی کا سلوک کرتے ہیں۔ اتنا ہی فرق ہے کہ ہم لوگوں میں بھک مری نہیں ہے لیکن وہ بھوکے ہی دن کاٹتے ہیں۔ اصل میں کورن چاۓ¹ کا کہنا ٹھیک ہے کہ جاتیاں تو دو ہی ہیں۔"

درمیانی طبقے کے لوگوں سے متعلق اس چرچا نے شمّل کے دماغ کو جگایا۔ اس قسم کے پچاسوں گھروں کی حالت اسے معلوم تھی۔ اُن سب کے پاس رہائش کے لئے اپنے اپنے مکان تھے لیکن قرض لے لے کر اور بٹائی پر کھیتی کر کے وہ سب کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ اپنی بات شمّل نے یہ کہہ کر ختم کی: " اب وہ سب فاقے ہی کرتے ہیں جیسا کہ ایڑائی نے کہا ہے۔ تھیوّران لوگ ہیں نا؟ خود کام کیسے کریں گے؟ اس لئے فاقے ہی فاقے۔"

یوں اُن کی بات چیت جاری رہی۔

---

¹ کورن بھائی۔

۱۱

جلد ہی سب باتوں پر غور کرنے کے لئے بشپ بیلی کے گھر ایک میٹنگ ہوئی۔ دور دور سے چیدہ چیدہ عیسائی اصحاب تشریف لائے۔ کٹناٹ کے دونوں گرجوں کے پادریوں کے علاوہ دوسرے تین چار مٹھوں کے پادری بھی اس میٹنگ میں شرکت کرنے آئے۔

کس موضوع پر چرچا ہوئی' یہ پریا اور ہلیا لوگوں کو صاف صاف نہیں معلوم ہوا۔ پھر بھی اُنھوں نے کچھ اندازہ لگایا۔

کورن نے کہا: "ووٹ کے متعلق ہوگی۔ ہم لوگوں کو بھی پہلے ہی سے کچھ سوچ لینا چاہیے۔"

اس علاقے کے ایک نائر پربھو[1] کے گھر میں ایک میٹنگ میں صلاح مشورہ ہوا ہے، ایسا سننے میں آیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس میں نائر، ایشور اور برہمن

---

[1] ایک باعزت امیر آدمی۔

سب شامل تھے۔ تین چار سنیاسی بھی تھے۔

کوئی بڑی بات ہونے والی ہے، ایسا محسوس ہوتا تھا۔ اندیشہ تھا کہ ہندوؤں اور عیسائیوں میں ایک جھگڑا ہی ہو جائے گا۔

کچھ ہی دنوں کے بعد تین چار عیسائی پادری اُدھر آپہنچے۔ گرجے میں اُن کی تقریریں ہوئیں۔ بڑے بڑے عیسائی گھروں میں بھی وہ گئے۔ پھر وہاں کے رہنماؤں کے ساتھ وہ پریّا اور پلسر کے جھونپڑوں میں بھی آتے جاتے دکھائی دیئے۔ بعض غریبوں کو اُنھوں نے پیسے دیئے، بعض کو کپڑے ..... یوں وہ پلسر اور پریّا کے مددگار بن گئے۔

ایک ہفتہ کے بعد ایک دن شام کو کنجی نے کورن سے کہا:۔

"میں تو عیسائی بن رہا ہوں"

یہ سُن کر چروتا حیران و ششدر رہ گئی۔

"یہ کیسا تماشا ہے جی!"

کنجی نے کہا: "کیوں ری، ہم لوگوں کے بھگوان نہیں ہیں نا؟ لیکن ہم بھی تو انسان ہیں۔ مرنے پر ہمیں بھی تو کوئی راستہ چاہیئے نا؟"

یہ کنجی ایک دم بدل گیا ہے۔ ان لوگوں میں سب سے بُدّھو سمجھے جانے والا کنجی مرنے کے بعد کی باتیں کر رہا ہے۔ کورن کو بھی تعجب ہوا۔

چروتا نے پوچھا "تب جو عیسائی نہیں بنتے اُن کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"ہم تو [illegible][1] کی پوجا کرنے والے ہیں نا؟ اس پادری کی باتیں سُننی چاہئیں۔"

---

[1] ایک [illegible] دیوتا۔

کنجپّی کی سمجھ میں جتنا آیا تھا اُس نے کہہ سُنایا اور آگے جوڑا " یہ پادری بڑے گیانی ہیں۔ میں، ایٹاتی، اولمپی اور پونٹی سب وہاں تھے۔"

کورن نے پوچھا، "وہ سب بھی عیسائی بن رہے ہیں؟"

"اٹیاتی اور میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ تمپوران نے تو تم سے بھی کہنے کو کہا ہے۔ پادری نے ہماری جھونپڑی کو نیا بنوا دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اٹیاتی کے لئے بھی وہ ایک نئی جھونپڑی بنوا دیں گے۔ آج مجھے دو روپے ملے ہیں۔"

چروتا نے کہا: "ہم عیسائی نہیں بنیں گے۔ ہم گھر میں کالی اور ماٹن کی پوجا کرنے والے ہیں۔"

کنجپّی نے کہا، "میں بھی ویسا ہی ہوں۔ اب تمپوران نے کہا ہے کہ عیسائی بن جانے سے ہم اور تمپوران ایک ہی جاتی کے ہو جائیں گے۔"

کورن ہنس پڑا، "شمکّن تو بچپن ہی میں عیسائی بن گیا تھا لیکن وہ آج بھی پلین ہی ہے۔"

کنجپّی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اُس نے اپنا فیصلہ ایک بار اور دوہرایا۔

"میں تو عیسائی ہی بنوں گا۔"

کورن نے سنجیدگی کے ساتھ کنجپّی سے کہا: "آج وہ پرتر اور پلیٹر میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟ میں تمھیں بتا دوں گا۔ اب سب کو ووٹ کا حق ملا ہے۔ اس سلسلے میں کسی بات کے لئے ہے۔"

چروتا نے اپنا فیصلہ دہرایا۔

اگلے اتوار کو کنجیؔ اور اس کے گھر والوں کا 'گیان سنان' (بپتسمہ) ہوا۔ کنجیؔ کا نام پیٹروس ہو گیا اور مانی "مریا" ہو گئی۔

یوں جب مذہب تبدیل کرا کے عیسائی بنانے کا کام اِدھر چل رہا تھا، تب مانتوؔ گھر والوں کے مٹھم (بیرونی گھر) ایک مشہور سنیاسی آسن جمائے عیسائی بنے ہوئے پریّا اور پلیّر کو دوبارہ ہندو بنا رہے تھے۔ کنجیؔ پیٹروس ہو گیا تو موہنن (جان) انمنتن ہو گیا۔ عیسائی اور ہندو بنانے کی اس بے تابی کا مطلب پرنّ اور پلیّن کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس مقابلہ میں کٹناٹ کے پرنّا اور پلیّر گویا دو کھلاڑیوں کے درمیان گیند کی طرح اِدھر سے اُدھر پھینکے جا رہے تھے۔ لیکن اس وقت بھی اُن کی روزانہ مزدوری دو سیر دھان ہی بدستور قائم رہی۔

اس نئی صورتِ حالات نے قومی زندگی کو ایک نئی سمت میں متحرک کر دیا۔ جب پرنّا اور پلیّر میں کسی خاص مقصد سے مذہب تبدیل کرنے کا کام زور شور سے ہو رہا تھا، تب بڑے بڑے کسانوں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کو ان کے مجموعی مفاد نے ایک قومی تنظیم میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ اس تنظیم کا نام تھا "سٹیٹ کانگرس"۔

گاندھی ٹوپی والے کارکن ہر جگہ گھومنے لگے۔ بشپ بیلی اور مانتوؔ گھرانے کے سب ان لوگوں کو ہر طرح امداد بہم پہنچاتے تھے۔ پادری اور سنیاسی دونوں لوگوں کو اپدیش دیتے تھے۔

ایک دن اتوار کو گرجا گھر کی پرارتھنا کے بعد لوگوں کے منتشر

ہونے سے پہلے ہی بکاری اچن[1] نے "میمنے[2] کے بچوں" کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:
"سب لوگ سٹیٹ کانگرس میں شامل ہو جائیں!"

مکرسنکرانتی کے دن آشرم میں جمع شدہ ہندوؤں کو سوامی جی نے بھی یہی اپدیش دیا۔ این، ایس، ایس کریوگم[3] اور ایس، این، ڈی، پی یوگم[4] کے جلسوں میں بھی اسی قسم کے اعلانات کئے گئے۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ سٹیٹ کانگرس نے ہی سب کو ووٹ کا حق دلایا ہے۔ دکھن کے بگان کے ماتھو (عیسائی) اور اُتر کے ماتو (ہندو) رات کو کھانے کے بعد جب ملے تب دونوں کو ایک ہی موضوع پر باتیں کرنی تھیں۔ وہ ایسی باتیں کرنے لگے جن کے متعلق انھوں نے نہ تو پہلے کبھی سوچا تھا، اور نہ ہی زندگی میں اس کی کبھی ضرورت ہی محسوس کی تھی۔

ماتو نے پوچھا: "تم کانگرس میں شامل ہو گئے دوست!"

"ارے بھئی، کیا کہوں؟ چار پیسے بھی اس کے لئے خرچ ہوئے۔ میں، میری بیوی، بڑا لڑکا اور اس کی عورت سب شامل ہو گئے۔ اچن نے پچھلے اتوار ہی کو کہا تھا۔ پھر اس ٹوپی والے کے ساتھ وہ گھر پر بھی آئے۔ ادھچن

---

[1] گرجے کا بڑا پروہت۔

[2] عیسیٰ مسیح کو ماننے والے۔

[3] نائر سروس سوسائٹی سنگھ۔

[4] نارائن غیر دھرم پری پالک سنگھ۔

اور کرشنپلا چن سب نے چندہ دے دیا۔ تم شامل ہوئے کیا؟"

مانو بھی شامل ہو گیا تھا۔ اس کے پانچ پیسے خرچ ہوئے۔ سوامی جی کے کہنے ہی سے وہ ممبر بنا۔ اُسے بھرتی کروانے کے لئے سب چیدہ چیدہ لوگ پہنچے تھے۔ کریوگم کی پچھلی بیٹھک ہی میں بات طے ہو چکی تھی۔

ماتھو کو اپنا ایک شک رفع کرانا تھا۔ اس نے پوچھا: ۔ مانو کنجے[1] میں ذرا جاننا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اس طرح ممبر بناتے کیوں گھوم رہے ہیں۔ کریوگم اور راٹب کا ممبر بننے میں تو ایک نہ ایک مقصد ہے لیکن سٹیٹ کانگرس میں کیوں شامل ہونا چاہیے؟"

مانو نائر کو بھی اس کا ٹھیک جواب معلوم نہیں تھا۔ پھر بھی اس کے مقصد کے متعلق اس کے ذہن میں ایک غیر واضح خیال تھا۔ اُس نے کہا: "اب سب کو ووٹ کا حق ملا ہے۔ اسی لئے یہ سب ہو رہا ہے۔ مانو کو منبو[2] جا کر جب لوٹ رہا تھا تب مُنارکلم[3] کی ایک سبھا میں تھوڑا سُنا۔ وہ کہہ رہے تھے "سب لوگ کانگرس میں بھرتی ہو جائیں۔ کانگرس سرکار سے سب لوگوں کے فائدے کا کام کرائے گی۔"

ماتھو ماپلا[4] کے معمولی دماغ میں اچانک ایک سوال پیدا ہوا۔ "سب کا فائدہ یہ کیسے کرائیں گے؟ کیا یہ ممکن ہے؟"

"مجھے یہ نہیں معلوم۔ میں نے جو سُنا وہ تمہیں سُنا دیا۔"

ماتھو ماپلا کی بیوی تریسیا (ٹیریسا) نے جو یہ گفتگو سُن رہی تھی، پوچھا:

---

[1] کنجے بچے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مانو کنجے کا مطلب ہے مانو بچے۔ [2] جگہ کا نام۔
[3] جگہ کا نام [4] عیسائی کو ماپلا کہتے ہیں۔

"یہ لوگ ہمیں چاول یا دھان دیں گے؟"

ماتھو نے کہا" ہاں، ہاں اسے پا کر کھانے کی تاک میں بیٹھے رہنا کافی ہے ..... دھان چاہیے تو پانچ روپے پنسیری خریدنا ہوگا۔"

"تب یہ لوگ کیا کریں گے؟"

بداعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے ماتھو نے کہا: "یہ لوگ سب کچھ کریں گے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کیا؟ 'کریوگم' اور 'ہیرش' سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ سب فائدہ دھن والوں کو ہوتا ہے۔ ہمیں کیا ملتا ہے؟ کچھ نہیں۔ ہم تو دس پنسیری کا کھیت گھاٹے میں آباد کرنے کے لیے مجبور ہیں۔"

ماتھو نے مزید کہا: "اتنا زیادہ بیاج دے کر ہم کھیتی کرتے ہیں۔ جمینی[1] اور قرض دینے والے دھان اٹھائے جاتے ہیں۔ پھر بھی دینا باقی رہ جاتا ہے۔ محنت جو کرتے ہیں سو فضول ہے۔ قرض کی رقم بڑھتی جاتی ہے۔ کہیں دو گھور زمین رہے تو اسے بھی مقدمہ کر کے چھین لیا جاتا ہے۔ اس لوٹ کھسوٹ کو اور آسان بنانے کے لئے ہی ہم سے پیسہ وصول کر کے کانگریس بنائی گئی ہے۔"

ماتو نا ئر نے کہا۔ "کانگریس کو پیسہ تو اور جگہوں سے ملے گا۔ ہزار ہزار روپے تو پشپ بیلی اور مانتو نگروں ہی سے دیئے گئے ہیں۔"

"یہ اس لئے دیا گیا ہے کہ ہماری زمین ہڑپ کرے" "رات میں دھان بیچتے وقت پکڑے نہ جائے" اور لگان کے روپے کم نہ ہونے کی سہولت ملے۔"

---

[1] زمیندار

یہ سُن کر ماتو نائر سوچنے لگا۔ جو بھی ہو ممبر تو وہ بن ہی گیا ہے۔ شکایت پہنچانے کے لئے کم سے کم ایک جگہ تو ہو گئی۔ اس سے اُسے قدرے اطمینان ہوا۔ اس نے کہا: "مانتو گھر میں ہمارے گھر کا پچاس پنسیری کا ایک کھیت رہن پڑا ہے۔ میرا گھر اور کھیت بھی رہن رکھے ہیں۔ کانگریس میں ایک عرضی دے کر دیکھنا ہے کہ لوگ کیا کرتے ہیں؟"

ماتھو کو بھی اس قسم کی ایک درخواست دینی تھی۔

۱۲

شمس، کورن، کنچی وغیرہ سب کے کھیتوں میں بوئے بیج اُگ آئے۔ بوآئی کے بعد دھان کے پودے بڑھے اور اُن میں بالیں لگ گئیں۔ چاروں طرف کی ہریالی وقت آنے پر سنہرے رنگ کے منظر میں تبدیل ہو گئی۔

پشپ بیلی یوسف کے کھیتوں کی کٹائی کا وقت آگیا۔ کورن کے کھیت ہی سے کٹائی شروع ہونے والی تھی۔ کھیت میں دھان پک کر کٹائی کے لئے تیار تھا۔ اقرارنامے کے مزارعوں کے علاوہ جوسف کے جو چھ کٹی کار[1] تھے، چیپر تور وغیرہ دوسری جگہوں سے ایک سو مزدور اور بلائے گئے تھے۔ اسی کھیت کے ایک حصے میں باندھ کی بغل میں کورن کی جھونپڑی تھی۔ کٹائی میں چاتن بھی آیا تھا۔

اس کھیت میں پہلے کبھی اس سال کی طرح فصل نہیں ہوئی تھی۔ سارا کھیت دھان کی بالوں سے یوں بھرا ہوا نظر آتا تھا کہ ڈنٹھل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔

---

[1] کٹی کار۔ کٹیا یعنی جھونپڑی میں رہنے والے داس۔

کام کرنے والوں کو بھی کٹائی میں لطف و مزا آتا تھا۔ ایک قطار میں شروع کرنے پر کٹائی مزے میں دوسرے کنارے تک بڑھتی جاتی تھی۔ بالوں کے بھارے پودے ایک طرف کو یوں جھک گئے تھے کہ انھیں کاٹنا بہت آسان ہو گیا تھا۔

شمنل اور کورن کھیت کے جنوب مغربی کونے میں اتر کر کنارے کنارے ایک طرف پہنچ گئے۔ کٹائی شروع ہو گئی۔ ایک آدمی اپنے کھڑے ہونے کی جگہ ہی سے چار بڑھیا آنٹی کاٹ سکتا تھا، اتنی زیادہ پیداوار تھی۔ اس لیے کاٹنے والے بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھتے تھے پھر بھی چاروں طرف آنٹی ہی آنٹی نظر آنے لگیں۔

کورن کے لیے کاٹنا ممکن نہیں تھا۔ وہ ہاتھ میں درانتی لیے کاٹنے والوں کے پیچھے دیکھتا ہوا گھوم رہا تھا۔ کاٹنے والے دھان کی بالوں کو بے کار نہ گرائیں، یہ دیکھنا اس کا کام تھا۔

وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ اس کھیتی میں کیا کیا مشکلات پیدا ہوئی تھیں۔ کیسی کھری کھوٹی باتیں سننی پڑی تھیں۔ اب وہ ایک مزدور کی حیثیت سے فخر کر سکتا تھا۔

کاٹنے والوں کے پیچھے ایک ڈنٹھل بھی زمین پر گر جاتا تو کورن سے وہ برداشت نہ ہوتا اور وہ چلاتا :-

"اے مجورن!"

ایک کاٹنے والی نے سر اٹھا کر دیکھا۔

غصے میں بھر کر کورن نے پوچھا :- "ادھر یہ کیا کر رہی ہو؟"

وہ چینگ نو سے آئے ہوئے مزدوروں میں سے ایک تھی۔

اس نے کہا: "واہ رے، یہ کیسا تماشا ہے؟ پنچا کھیت کی کٹائی میں ایک آدھ بال ٹوٹ کر گر ہی جاتی ہے۔ یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے"

کورن آپے سے باہر ہو گیا۔

"تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ چاول نہیں کھاتے کیا؟ یہ میری محنت کا پھل ہے ایک ایک پودا دھیان دے کر بڑھایا گیا ہے۔ یہ سب کھیت ہی میں برباد کرنے کے لئے نہیں ہے"

قریب ہی کاٹنے والیوں کا دھیان اس طرف گیا۔ اتنا زیادہ کچھ گرا نہیں تھا۔ دو ہی ڈنٹھل تھے۔ پنچا کھیت میں اس سے زیادہ احتیاط سے کاٹنا ممکن بھی نہیں تھا۔ سارا دھان آدمی کے ہاتھ ہی سے کاٹا جاتا ہے۔

ایک بلیتی نے کہا: "پنچا کھیت میں اگر ایک چوتھائی فصل کھیت میں نہ گرے تو وہ شاپ ہو جائے گی"

کورن کا غصہ اور جوش بڑھ کر مضحکہ خیز ہو گیا۔

اس کے بیچ میں ایک دوسری کاٹنے والی نے پوچھا: "یہ بھوکا کہاں کا باشندہ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پنچا کھیت دیکھا ہی نہیں ہے"

"کیوں جی، تم نے کیا کہا؟" درانتی ہلاتے ہوئے کورن اس کی طرف بڑھا۔ کیسا غصہ تھا اس کا۔

وہ بلیتی بھی کم نہیں تھی۔ اُسے کورن کا لالچ اچھا نہیں لگا۔ خوشحالی کے چیت مہینے میں سراسر ناموزوں محسوس ہونے والا وہ لالچ اسے شرمناک معلوم

ہوا۔ کیا دھان دیکھ کر آدمی اپنے آپ کو یوں بھول جاتا ہے؟ تمپوران کو بھی اتنا لالچ نہیں ہے۔ وہ کورن کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

اس پلیتن کی طرف بڑھتا ہوا کورن کا ہاتھ چرُوتا نے دوڑ کر پکڑ لیا۔ کورن نے ہاتھ چھڑا کر جانے کی کوشش کی۔ چرُوتا نے نہیں چھوڑا۔ وہ بولی: "یہ کیسا پاگل پن ہے؟"

"واہ، دھان برباد کرنے سے روکا تو بڑھ بڑھ کر بول رہی ہے۔"

چرُوتا کورن کو وہاں سے پکڑ کر لے گئی۔ اُسے اپنی قطار میں جا کر کھڑا کیا۔ اور رعب اور اختیار سے پوچھا۔ "دھان دیکھ کر دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟"

کورن ذرا ٹھنڈا ہو گیا۔ اُسے محسوس ہوا کہ اس کا غصہ حد سے تجاوز کر رہا تھا۔ پھر بھی وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اُس نے کہا "پان ہو تو ذرا دو!"

چرُوتا کے سامان سے اس نے پان کی پوٹلی نکالی۔

چرُوتا نے پوچھا "پچھلے سال بھی پنچا کھیت میں کاٹا تھا نا؟ تب اتنا غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟"

"یہ میری محنت کا پھل ہے نا؟ بنا گرائے کٹائی ہو گی تب ہی تو فصل دیکھنے لائق ہو گی۔"

"اوہ ایسا ہے! جس نے خود کٹائی کا کام کیا ہے اُسے اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ پنچا کھیت میں کٹائی کے وقت دھان گرتا ہے۔"

چرُوتا کی دلیل کو کورن نہیں کاٹ سکا۔ اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

پان کھانے کے بعد اس کا دماغ اور بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ چاتن بھی وہاں پہنچ گیا۔

چردتا نے کورن سے پوچھا۔ "کیا ہنسیا لے کر گھومتے رہنا ہی کافی ہے؟ ایک جگہ کھڑے ہو کر دو آنی کاٹ لوگے تو تھوڑی اور مزدوری مل جائے گی نا؟"

"کاٹنے والوں کے پیچھے نہ لگوں تو دھان برباد ہو گا۔" کورن نے کہا۔

چاتن نے رائے دی۔ "اتنا جھگڑا ہو گیا ہے۔ اب سب چوکنّے ہو گئے ہیں۔ گرائیں گے نہیں۔"

کورن چردتا کی دائیں طرف کھڑے ہو کر کاٹنے لگا۔ چاتن قطار بدل کر چردتا کے بائیں طرف پہنچ گیا۔ کاٹتے کاٹتے کورن، چاتن اور چردتا تینوں آپس میں باتیں بھی کرنے لگے۔

تھوڑی دور تک کاٹنے کے بعد چردتا نے کورن کے پیچھے تاک کر چاتن سے کہا۔ "چاتن چچا، ذرا ادھر تو دیکھو! کتنا دھان گرایا ہے۔"

کورن نے جہاں دھان کاٹا تھا وہاں بھی دھان گرا تھا۔ اس کا چہرا اُتر گیا۔ اس نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ دھوپ کے کارن میں ٹھیک سے دیکھ نہیں سکا۔"

ٹھیک سے کوئی جواب نہ سوجھنے کے باعث کورن کو یوں بات بناتے دیکھ کر چردتا اپنی ہنسی نہ روک سکی لیکن کورن کا مذاق اُڑانا اس کا مقصد نہیں تھا۔ اپنے بچّے کی کسی نادانی پر ماں کو مسرّت کی جو ہنسی آتی ہے، یہ وہی تھی۔

کورن بھی ہنس پڑا۔

چاتن کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ غصّے سے لرزتے ہوئے کورن کو چرودتا کیسے پکڑ لائی، اُسے ڈانٹا۔ تب کورن نے پان مانگا۔ چرودتا نے دیا۔ تھوڑی دیر اس کے پاس رہ کر سارا غصہ دور ہو گیا۔ بے چارہ اپنی غلطی بھی سمجھ گیا...

چرودتا میں کچھ طاقت ہے۔

چاتن نے لمبی سانس لی۔

تینوں کاٹنے میں مصروف تھے۔ چاتن نے سوچا کہ پچھلے سال کی کٹائی کے وقت سے اب چرودتا کتنی دور ہو گئی ہے۔ اِن دنوں چاتن نے اس سے کیا کیا کہا تھا؟ اس کے ساتھ مذاق کرنے اور دلچسپ باتیں کرنے میں زرا بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی۔ اس کا (چاتن کا) دل اُن دنوں کتنا ہلکا تھا۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتا تھا، کچھ بھی کہنے کو اس کا دل بھی کرتا تھا۔ لیکن آج؟...... آج اس کا دل ایک مایوسی کے بار سے بوجھل ہے۔ اس میں نہ تفریح کا جذبہ رہ گیا ہے اور نہ بولنے کی ہمت۔ کچھ کہنا بھی چاہے تو حلق سے آواز نہیں نکلتی۔ اب اُسے ایک گرہستھ عورت سے بولنا تھا اور بدلی ہوئی حالت کے مطابق اصول اور رواج کا پابند بھی رہنا تھا۔ آج ہی کی طرح کورن اُن دنوں بھی چرودتا کے دائیں طرف کام کرتا تھا۔ آج چرودتا پر اس کا حق ہے اور چرودتا کا اس پر۔ وہ دونوں اب ایک ہو گئے ہیں۔ اِن سب باتوں کے بارے میں چاتن سوچتا رہا۔

بغیر کچھ بولے وہ کاٹ رہا تھا۔ اسے، جو ایک بازی ہار چکا تھا، سوچنے کے لیے کافی مواد تھا۔

کورن نے کہا: "مجھے کچھ پینے کی خواہش ہوتی ہے۔ دل خوش رہنے پر بھی بھوک پیاس میں کچھ کھا پی لینا چاہیے۔"

چروتا نے مخالفت نہیں کی۔ اس دن گھر میں بھی کھا کر آنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ سویرے تھوڑی باسی کنجی پی کر ہی دونوں نکلے تھے۔

کورن نے اپنی قطار سے ایک آنہ لے کر اپنی ہتھیلی میں رکھی۔ دور پر سے تاڑ کی چھتری لگا کر بیٹھے ہوئے یوسف نے یہ دیکھ لیا۔ کورن ہتھیلی کو اپنی بغل میں دباتے ہوئے نکلا۔

"ہتھیلی میں کیا ہے رے؟" یوسف نے پوچھا۔

کورن نے جواب دیا۔ "دو ڈنٹھل ہیں مالک۔ داس نے آج کچھ نہیں کھایا ہے۔ زرا پانی (تاڑی) پینے کے لیے ہیں۔"

"ڈنٹھل! رکھو وہاں۔ یہاں یہ نہیں چلے گا۔" کہتے کہتے یوسف اٹھ کر کورن کی طرف آئے۔ انھوں نے آگے کہا۔ "کچھ کھایا نہیں ہے تو گھر جا کر کھانا۔ اقرار نامہ لکھتے وقت ہی یہ بتا دیا تھا کہ پرانا رواج نہیں چلے گا۔"

کورن دنگ رہ گیا۔

"ارے، رکھتا کیوں نہیں؟" تمپوران چلا کر بولا۔

کورن ادھ مرے کی طرح اپنی قطار کی طرف بڑھا۔ دوسرے کاٹنے والے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ہتھیلی سے کورن نے آنٹی نکال کر رکھ دی، اور دوسری طرف باندھ پر جا کر منہ نیچا کر کے بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ آدمی بھوک اور پیاس سب کچھ سہہ سکتا ہے لیکن بے عزتی نہیں سہہ سکتا۔

کورن سے تھوڑی دیر پہلے جو چیتھڑے والی جھگڑی تھی، بولی :۔ "وہ اِسی کے لائق ہے ۔"

تب ایک دوسری نے کہا ۔ "ایسا مت کہہ ری ۔ بے چارے نے پانی اور کیچڑ میں کھڑے کھڑے اپنی محنت سے یہ سب اُگایا ہے نا؟ تمپوران نے اس سے آنٹی رکھوا کر ٹھیک نہیں کیا ۔"

ایک تیسری نے کہا ۔ "اس کے جیسا اپنے تمپوران کا بھلا سوچنے والا میں نے دوسرا نہیں دیکھا ۔"

چوتھی بولی ۔ "تمپورانوں کا بھلا سوچنے والوں کو ایسا ہی تجربہ ہوا کرتا ہے ۔"

کچھ دیر تک کورن یوں ہی بیٹھا رہا ۔ اُسے چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر تمپوران نے ڈانٹا ۔ وہ پھر اُٹھ کر کاٹنے والوں کے پیچھے گھومنے لگا ۔

۱۳

دھان پکنے کے بعد لوگ کٹائی کی طرف نظر لگائے صبر کے ساتھ قحط کا سامنا کر رہے تھے۔ کورن کے گھر میں کئی روز سے کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ دوسرے لوگوں سے جتنا ادھار مل سکتا تھا اتنا وہ لے چکا تھا۔ اب اُن لوگوں کے پاس بھی کچھ نہیں رہا۔ اس طرح بھوکے رہنے کے دنوں ہی میں کٹائی کے دن آ گئے۔

شام کو سب نے آنٹیوں کے بوجھ باندھ کر کھلہان میں لے جا کر رکھ دیئے۔ تب تک اندھیرا ہو چکا تھا۔

تمپوران نے اعلان کیا "آج کچھ نہیں ملے گا۔ سب لوگ اپنی اپنی ہتھیلی اِدھر دِکھا کر چلے جاؤ!"

اس طرح کھلہان سے سب لوگ نکل گئے۔ کپڑے میں چپکا ہوا دھان کا ایک دانہ بھی کوئی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا۔ ایٹاتی کی پرئی نے اپنے خونچے میں جو ساگ توڑ کر رکھا تھا، تمپوران نے اُسے بھی وہیں رکھوا لیا۔

"یہ دن کیسے گذاریں"؟ اس فکر نے چردتا کے اندر گویا آگ سی بھڑکا دی۔

کورن جسم اور دماغ دونوں سے تھکا ہوا تھا۔ اس روز صبح وہ جو خوشی محسوس کر رہا تھا اس کا کیا انجام ہوا؟ اُسے کچھ نہیں کہنا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا۔

پتروس کی بیوی ذرا چالاک تھی۔ تمپوران کی تیز آنکھ سے بچا کر وہ قریب ایک سیر دھان لے آئی۔ اس سیر بھر دھان کو پتروس اور کورن نے آپس میں بانٹ لیا۔ رات کو ہی لوگوں نے دھان اُبالا، سکھایا، کوٹا اور کھانا بنا کر کھایا۔

دوسرے دن چڑوتا اور کورن خالی پیٹ کٹائی پر گئے۔

کٹائی کے وقت کورن کئی باتیں کہنے اور کرنے کی سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے تمپوران سے وہ بغاوت بھی کر بیٹھے۔

کاٹنے والوں کے پیچھے وہ آج بھی گھوم رہا تھا۔ لیکن دھان گرتا ہے، یہ نہیں دیکھتا تھا۔ کسی سے بھی نہیں جھگڑتا تھا۔ آئندہ وہ اپنے جیسے لوگوں سے جھگڑے گا بھی نہیں۔

اس طرح جب وہ گھوم رہا تھا، چیٹر نور کی ایک مزدورن نے پان کھانے کے لیے اُسے بلایا۔ پان کھاتے کھاتے اس نے پوچھا:۔

"کورچیا، پچھلے سال کہاں کام کیا تھا؟"

"ادیمپی میں میں اس سال شامل ہوا ہوں۔"

"پچھلے سال ہم بھی یہاں کٹائی میں آئے تھے۔ اس سال کھیت میں جتنا گر رہا ہے، پچھلے سال اتنا پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔"

تھوڑی دیر کے لئے کورن نے کچھ نہیں کہا۔ مزدورن نے بات آگے بڑھائی "پچھلے سال باندھ پر آنے پر کھیت میں اترنے کو جی ہی نہیں کرتا تھا۔

—— کھیت میں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس بار تو یہ کاٹتے کاٹتے ختم ہی نہیں ہوتا ہے۔"

کورن ذرا تن گیا۔ اس نے کہا: "سچ کہتا ہوں بہن، میں نے کتنا کشٹ اُٹھایا ہے، یہ کہہ نہیں سکتا۔ میں نے جی توڑ کر کام کیا ہے۔ لیکن ۔ ۔ ۔ ۔"

کورن نے آگے کچھ نہیں کہا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اپنی اس دن کی حالت سنانا چاہتا تھا، لیکن احساسِ خودداری نے اُسے اور کچھ کہنے سے روک دیا۔ پھر بھی وہ عورت اس کے دل کی بات سمجھ گئی۔

وہ بولی: "یہ تمبوران بڑا لالچی ہے۔ اتنا لالچی کہ اس کے برابر اور کسی کو میں نے اس دنیا میں دیکھا ہی نہیں۔"

وہ یوسف کے بہت ہی بڑھے ہوئے لالچ کی کہانیاں سنانے لگی۔ سب سن کر کورن نے کہا: "میرا تو ایک ہی خیال ہے، وہ نالائق ہے، بے رحم ہے: ایسا میں سُننا نہیں چاہتا۔ میں نے کام کیا ہے۔ دھان بھی خوب پیدا ہوا ہے۔ پھر رکھوالی کی ذمے داری پہلی بار رے کر میں نے کام کیا ہے۔ میری ایک تمنا ہے، میں یہ جانتا ہوں کہ اس میں پیداوار کتنی ہوئی ہے؟"

کاٹنے والوں کو باتوں میں پھنسا کر کام روکنے کے لئے تمبوران نے کورن کو ڈانٹا۔

دوپہر کو کورن یوسف کے پاس گیا۔ اس میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تھی۔ جا کر تھوڑا پینے کے لئے دھان مانگنے کا اس کا خیال تھا لیکن یوسف کا رُخ دیکھ کر اُس نے دھان مانگنے کا خیال ترک کر دیا۔

آدمی کے رویہ میں کتنا فرق آجاتا ہے۔ بوآئی کے دنوں سے اب

کتنی تبدیلی! اُن دنوں ملنے پر یوسف ہنستے تھے۔ خیر خیریت پوچھتے تھے۔ ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ کتنے خوش مزاج نظر آتے تھے۔ لیکن آج؟ .... جان پہچان کا بھی انداز نہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، آج تو ایک قسم کی نفرت اور بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہیں۔

یوسف نے کورن کو کڑی نظر سے دیکھا۔

کورن نے کہا "داس کی ایک عرض ہے"

"کیا ہے؟"

"داس پہلے پہل ادمینتی میں شامل ہوا ہے"

"اس لئے؟"

"اور کچھ نہیں اس کھیت کی پیداوار ذرا الگ ناپی جائے تو پتا چلے گا کہ کتنا دھان ہوا ہے"

کچھ دیر تک یوسف نے جواب نہیں دیا۔ یہ عرض [illegible] ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔

کورن نے پھر کہا: "داس یہ جاننا ......"

"میری سال بھر کی آمدنی بھی تجھے جاننی ہے۔ مجھے یہ رنگ مت دکھا! چلا جا یہاں سے!"

کورن وہاں سے چلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی درخواست میں آخر کیا غلطی تھی۔ اس کے کہنے میں تو کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ کیا وہ سوال ہی غلط تھا؟ شاید وہ ایک داس کے حق سے بعید بات تھی۔

اس دن دوپہر ہونے پر یوسف چلے گئے۔ دوپہر کے بعد چاکو آیا۔ اس دن کٹائی کے بعد ہر ایک مزدور کو ایک ایک آنٹی ملنی تھی۔ بوجھ کھلیان میں پہنچانے کے بعد ہر ایک آدمی ایک ایک آنٹی چاکو کے سامنے رکھتا تھا اور وہ اس میں سے کچھ کھینچ لیتا تھا اور باقی دے دیتا تھا۔ کورن کو محسوس ہوا کہ اس کی آنٹی میں سے چاکو نے ذرا زیادہ لے لیا ہے۔ لیکن چرُوتا جب آنٹی لے کر آئی تب چاکو نے قاعدے کے خلاف آنٹی اُٹھا کر دیکھنے کے بعد چرُوتا کی طرف غور سے دیکھا اور نام کے لئے ہی اس میں سے ایک ڈنٹھل کھینچ لیا۔

چرُوتا جب اپنی آنٹی کورن کی آنٹی کے ساتھ باندھنے لگی تب کورن ایک چیتے کی طرح گرج کر بولا "نہیں، میری آنٹی میں نہ باندھنا۔ اس کی مجھے ضرورت ہے"

چرُوتا نے نہیں چھوڑا۔ اس نے رعب سے پوچھا "کیا ضرورت ہے؟ تاڑی خانے میں لے جا کر برباد کرنا ہے؟"

"جا، جا۔ اس کا فیصلہ میں خود کر دوں گا"

کورن کھڑا کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ اس کا غصہ حد سے تجاوز کر رہا تھا۔ میریا نے چرُوتا کو سمجھایا۔

"نہیں، اچھی۔ میں نے پینے کے لئے دھان اور پیسہ خود دیا ہے۔ یہ چیت مہینہ ہونے پر بھی فاقہ ہی چلتا ہے۔ آج تھوڑا جو ملا ہے اُسے بھی لے جا کر تاڑی خانے میں دے آنا چاہتا ہے۔ اگر سدا ایسا ہی ہوا کرے تو کیسے کام چلے گا؟"

"ایسا ہی ہوتا ہے چروتا، بہت کچھ دیکھ کر بھی نہیں دیکھا۔ جیسے ہو سکے برتنا چاہیے۔ ان مردوں کو سہارا دے کر ہمیں لوگوں کو آگے لے جانا ہے۔"

کورن اپنی آنٹی ہتھیلی میں رکھ کر جانے لگا۔

چروتا نے کہا: "آج سب سے روٹھا ہے۔ ابھی پی کر آنے سے جلدی بھات نہیں ملے گا، تجھے گھر جا کر اسے اُبال کر اور کوٹ کر چاول تیار کرنے کے بعد ہی بھات بنانا ہے۔"

"میں آج آؤں گا ہی نہیں۔"

ایک آنٹی دھان سے جتنی مل سکتی تھی، اتنی کورن نے لے لی۔ لیکن اپنا غم اور غصّہ اتنے سے وہ بھلا نہیں سکا۔ وہ بھلانا چاہتا تھا لیکن وہ ایک تاڑی کی بوتل سے نہیں بھلایا جا سکتا تھا۔ اُس نے دکاندار سے ایک بوتل اور اُدھار مانگی۔ لیکن اُدھار نہیں ملی۔

"اس مہینے میں تم اُدھار مانگتے ہو؟"

اس سوال نے اس کے غم کو اور بڑھایا۔ وہ چھ سو منیری کے کھیت کا رکھوالا بنا ہے! لیکن ایک بوتل تاڑی کے لیے اس کی ہتھیلی میں دھان نہیں۔ کورن کو محسوس ہوا جیسے وہ رو پڑے گا۔

اتنے میں چاتن وہاں آیا۔ اُس کے پاس پیسہ تھا۔ دونوں نے مل کر سیر ہو کر پی۔

اس دن آدھی رات کے بعد دور تک پھیلے ہوئے پنچا کھیت میں چلانے کی آواز گونجتی سنائی دی۔ وہ صرف چلاہٹ نہیں تھی۔ وہ تاڑی کی مستی بھی،

اس کے دماغ میں بے چینی پیدا کرنے والے خیالات کے جو فقرے اور الفاظ میں پنہاں تھے، اُن کا غیر واضح اظہار تھا۔

وہ چھ سو پنسیری کے کھیت کا رکھوالا تھا۔ اُس کھیت میں چلا ہٹ تھی، غرور تھا۔ اس کے بعد تھی غصّہ پیدا کرنے والے واقعہ کی یاد۔ تمبوران کا بیٹا اُس کی چروتا کو گھور رہا تھا۔ یہ اُس نے دیکھا ہے۔

۱۴

کٹائی کا کام اب خوب زوروں پر تھا۔ دن بھر کٹائی اور رات کو مڈائی۔ کٹنات میں دن رات میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوئی سوتا نہیں تھا۔ سب جگہ آنٹی، دھان ڈنٹھل اور پوآل ہی پوآل نظر آتا تھا۔ رات دن کام کرنے پر بھی کام ختم نہیں ہوتا تھا۔ آدمی کا تن من اور دماغ سب ایک مشین کی مانند مل کر کام کرتے تھے۔

ہزاروں بنیسری کے بہت دور دور تک پھیلے، بڑے بڑے کھیتوں میں سے ایک ایک ڈنٹھل درانتی سے کاٹ کر آنٹیوں میں باندھ کر رکھنا، سب آدمی ہی کے ہاتھ سے ہوتا، پھر آنٹیوں کے بوجھ بنا کر انھیں سر پر رکھ کر کھلہان میں پہنچانا۔

کھلہان میں بہت جگہ پہاڑیوں کی طرح انبار کے انبار دھان دکھائی پڑتے ہیں۔ سب دھان آنٹیوں کو پاؤں سے روند کر ڈنٹھل سے الگ کیا جا چکا ہے۔ اب اسے سکھا کر اور اس میں سے پیلے دھان نکال کر دھان گوداموں کی اندھیری کوٹھریوں میں بھر دینے کا کام باقی ہے۔

اس عظیم کام میں جو لوگ مصروف ہیں اُن میں سے کسی کو بھی نہ تھکاوٹ کا خیال،

نہ سستی اور نہ بھوک پیاس، کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ سامنے مٹکو بھر ہی پکانے کے لائق چاول ہو، تسلہ بھر دھان رہے، تو کیسے بھوک کا خیال رہتا ہے؟

یوسف کے کھلہان میں کام کا ٹھکانا نہیں۔ کئی دنوں کی کاٹی آنٹیاں ڈھیر کی ڈھیر رکھی ہیں۔ کہیں عورتیں مڈائی کر رہی ہیں۔ کہیں ڈنٹھل سے الگ کئے ہوئے دھان کی نپائی ہو رہی ہے۔ اور کہیں پیلے دھان کو تولا جا رہا ہے۔ کھلہان میں کہیں بھی تل دھرنے کے لیے جگہ نہیں ہے۔

اس بھیڑ بھڑکے اور تنگی کی جگہ میں بھی کورن کو یہ خیال رہتا ہے کہ اس کے کھیت کا دھان کہاں رکھا ہے۔

ایک دن شام کو کٹائی سے لوٹنے پر اس نے دھان کے ڈھیروں میں سے کئی ڈھیر اپنی جگہ پر نہیں دیکھے۔ انھیں ڈھیروں میں کورن کے کھیت کے ڈھیر بھی تھے۔ وہ سب پیلا دھان نکالنے کے بعد یوسف کے گودام لے جائے جا چکے تھے۔

یوسف کھلہان میں ایک جھونپڑی میں بیٹھے تھے۔ کورن نے قریب جا کر پوچھا:
"نمرا، داس کی رکھوالی والے کھیت میں کے تینوں ڈھیر میں کتنا دھان تھا؟"

"یہ جان کر کیا کرے گا؟"

"داس یونہی جاننا چاہتا ہے۔"

کورن کو یقین تھا کہ یہ جاننا اس کا حق ہے۔

یوسف جھونپڑی کے چھپر میں کھونس کر رکھی ہوئی چھڑی کھینچ کر اس پر پل پڑے اور کورن کی پیٹھ پر ایک بینت جڑ دیا۔ دوسرا پڑنے سے پہلے ہی بیتر دس نے اسے کھینچ کر ہٹا دیا۔ اثبانی اسے وہاں سے کھینچ لے گیا۔ یوسف نے غصے میں گالی بکنا

شروع کر دیا۔

تب تک چرونتا پہنچ گئی اور کورن کو اپنے ساتھ لے گئی۔ کورن گویا بے ہوشی کی حالت میں کھنچتا چلا گیا۔

شمنی لیتن نے پاس آکر پوچھا: "تم نے فضول کی بات کیوں پوچھی تھی؟ میں تو مکھیا ہوں۔ اتنے سال ہو جانے پر بھی مجھے یہ سب باتیں معلوم نہیں ہیں۔ میں پوچھتا بھی نہیں۔"

تب ہیتر دس نے کہا۔ "کتنا بھی ہو، ہمیں اس سے کیا؟ ہمیں کیوں جاننا چاہیے؟ تھیدران نے بیج اور پیسہ خرچ کیا۔ ہم نے کام کیا تو ہمیں مزدوری ملی "کتنا دھان ہوا" یہ سب ہمیں نہیں پوچھنا چاہیے۔"

اس کا سوال نامناسب تھا کیا؟ چرونتا بھی اس کی غلطی نکال رہی تھی۔

اس نے پوچھا۔ "تو ہم صرف دھان پیدا کریں۔ اور کتنا ہوا یہ بھی نہ جانیں؟"

"ایسا ہی ہوتا ہے" شمنی نے جواب دیا۔

"ہم کیوں جانیں؟ اب تک کسی بھی پرتن اور ہاتن کو یہ معلوم نہیں ہوا ہے۔"

سب نے مل کر صلاح کی کہ اس دن کورن کو کھلیان میں نہیں جانا چاہیے۔ چرونتا اور کورن گھر چلے جائیں۔ کچھ کھانا بنا کر کھلانے کے بعد چرونتا ہی مڑائی کے لیے جاسکے۔ پہلی ماگھی رات تھی ہی۔ کورن کو کھلیان میں دیکھ کر ممکن ہے تمپوران پھر اسے پر ہاتھ اٹھا بیٹھیں۔

اسی وقت جھونپڑی کے پاس رونے اور ڈانٹنے کی آواز سنائی پڑی۔ تمپوران

ادھمیتی کے لڑکے کو پیٹ رہے تھے۔ جاکو کو اُدھر پاس ہی دیکھ کر اس سے کہہ کر کورن اور چرودتا چلے گئے۔

آدھی رات گذر چکی تھی۔ صاف شفاف چاندنی چمک رہی تھی اِدھر اُدھر کی جھونپڑیوں میں دھان کوٹنے کی آواز بند ہو گئی۔ لیکن سب جگہ آگ جل رہی تھی کھانا پک رہا تھا۔

کھلہان میں مڑائی جاری تھی۔ دوڑتی ہانپتی چرودتا کھلہان میں پہنچی۔ وہ کانپ رہی تھی۔ اب بھی اُس کے چہرے پر خوف چھایا ہوا تھا۔ وہ گھوم گھوم کر دیکھتی تھی۔

مریا نے جو کھڑی کھڑی مڑائی کر رہی تھی، پوچھا۔ ”کیوں چرودتا؟ کیا بات ہے ری؟“

چرودتا کچھ بول نہیں سکی۔

”معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی ڈر گئی ہے۔ کیا بات ہے ری؟ کچھ دیکھا کیا؟“ ایک بڑی عمر کی ملیتی نے پوچھا۔

اس نے کہا:۔ ”رات اور سویرے کا خیال کئے بنا اکیلے گھومنا ٹھیک نہیں ہے۔ ان کھیتوں میں پریت رہتے ہیں۔“

چرودتا کی دھڑکن کچھ کم ہو چلی تھی۔ بھوت پریت کے ڈر سے اس کی یہ حالت نہیں ہوئی تھی، یہ بات ظاہر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت دور تک پیچھا کرنے والے زہریلے سانپ سے بھاگ کر بچی ہو۔

”کیا ہوا ری؟“ سب نے پوچھا۔

چرِدتا نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں ..... میں دوڑی دوڑی آئی ہوں، اس لئے ہانپ رہی تھی۔"

ایک نے اسے غور سے دیکھ کر کہا: "چھی، تو ڈر گئی معلوم ہوتی ہے۔ ڈر گئی ہے تو کہہ! اس کے لئے کچھ تدبیر کی جا سکتی ہے۔"

چرِدتا نے جواب دیا کہ وہ ڈری نہیں ہے اور دھان میڈنے میں مصروف ہو گئی۔ وہ کچھ بولتی نہیں تھی۔

مریا نے پوچھا: "تو کیوں چپ ہے چرِدتا؟ کورن سو گیا کیا؟"

"نہ، ایسے ہی وچار میں ڈوبا بیٹھا ہے۔ جس نے کام کیا ہے اس کا یہ جاننے کی خواہش کرنا قدرتی بات ہے کہ کھیت میں کتنا دھان ہوا ہے۔"

"یہ کیوں جاننا چاہیئے ری؟"

"یونہی۔"

"یہی بات ہے۔ کیا اس نے کچھ کہا؟"

"نہیں، منہ تک نہیں کھولا۔"

"تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد مریا نے آہستہ سے پوچھا: "تو ڈر کر کیوں بھاگی تھی بیٹی؟"

ایسا محسوس ہوا کہ جیسے مریا نے ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا لیا ہو۔

"ابھی بتاتی ہوں اچی، اُدھر چلو!"

چرِدتا اور مریا پوآل کے ڈھیر کے پیچھے چلی گئیں۔ دردناک لہجہ میں چرِدتا نے ساری باتیں کہہ سنائی۔

"کھیت کے اس پار پیڑوں کے سایہ میں جب وہ پہنچی تب نہ معلوم کیسے، کہاں سے، چاکو وہاں آدھمکا"...... چرونا نے اپنی چھاتی مریا کو دکھائی وہاں ناخنوں کے نشان لگے تھے۔ اس کے کپڑے کا سرا بھی پکڑا پکڑی میں پھٹ گیا تھا...... کسی طرح وہ چاکو کا ہاتھ چھڑا کر بھاگی تھی۔

مریا کو یہ بات سن کر تعجب نہیں ہوا۔ چرونا نے آخر میں کہا: "جب سے ہم یہاں آئے ہیں تب سے ہی وہ مجھے گھورا کرتا ہے۔ ایک بار اس سے (کورن نے) کہا بھی تھا۔ "تم اعورتوں کے پیچھے سے ہٹ جاؤ" مجھے شروع ہی سے اس کے بارے میں شک تھا۔"

مریا نے آہستہ سے جواب دیا "ایسا ہی ہوتا ہے بیٹی! وہ سب جوان لڑکیوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ چار پانچ کو اُس نے پکڑا بھی ہے۔ وہ اسی کٹائی میں آئی ہوئی لڑکیاں ہیں۔ انھیں ڈھیر کا ڈھیر دیتا ہے۔ اُسے تیری طرف گھورتے میں نے بھی دیکھا تھا۔"

"میں نے بھی دیکھا ہے۔ پر یہ بدمعاش چپکے چپکے آکر پکڑے گا۔ یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔"

"ایسا ہی یہ چھوٹے تمپوران لوگ کیا کرتے ہیں بیٹی! انھیں پرتن بلیتن ہی کی لڑکیاں چاہئیں۔ جب سے ہماری لڑکیاں بلوج اور جمپر پہننے لگی ہیں تب سے یہی حالت ہے۔"

تب چرونا نے کہا: "یہ کہیں گھر میں جان جائے تو......"

مریا نے گھبرا کر کہا: "او بیٹی، چپ، چپ! وہ جان جائے تو

چپ نہیں رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ اُسے ختم ہی کر ڈالیں گے۔"

"مجھے بھی وہی ڈر ہے۔"

"ہوشیار رہنا کافی ہے۔ ایک دو سال میں ایک دو بچہ بھی ہو جائے تب کوئی ڈر نہیں۔ تم ڈرو مت بیٹی! کورن سے کچھ مت کہنا۔"

"مجھے بھی شرم لگتی ہے نا۔ کیسے کہوں گی؟"

۱۵

اس دن بشپ بیلی یوسف کے یہاں مزارعوں کے حساب چکانے کا کا دن تھا۔ اُن کے سب مزارعے جمع تھے۔

سب سے پہلے شمّل کا حساب ہوا۔ یوسف نے حساب کر کے بتلایا کہ شمّل نے پچیس پنسیری دھان اور پچیس روپیہ اُدھار لیا ہے وعدے کے مطابق پورے دن کام کیا ہے اور باقی ساتی سب کاٹنے کے بعد اُسے چالیس پنسیری دھان اور ملنا چاہیئے۔ اُنھوں نے پوچھا :۔

"کیوں رے حساب ٹھیک ہے نا؟"

اس جمع تفریق کے بارے میں شمّل نے کچھ نہیں کہا۔ وہ مد، میزان اور جمع خرچ وغیرہ حسابی باتیں نہیں جانتا تھا۔ تین سال سے اوپر سے اُس کا حساب اسی طرح ہوتا آیا ہے۔ حضور ان کچھ جوڑتے، کچھ منہا کرتے اور آخر میں پوچھتے ۔ " حساب ٹھیک ہے نا؟"

ہمیشہ کی طرح اُس نے جواب دیا۔ "جی!"

اُس کی عادت ہی ایسی تھی۔

جو کچھ ہو رہا تھا اُسے کورن چُپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اُسے حیرت ہوئی۔ حساب جوڑنے کا یہ کونسا طریقہ ہے؟ چھ ہزار پنسیری کی کھیتی کے مکھیا پرَن کی آمدنی چالیس پنسیری دھان۔ قرض اُدھار کی جو باتیں ہیں وہ سب ٹھیک ہو نگی کیا؟ کورن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس طریقے سے ددسرِدں کو کتنا ملے گا؟ بانٹنے ناپنے اور رکھوالی کے لیئے کچھ نہیں دیا۔

ایک ایک کر کے ددسرِدں کا بھی حساب ہو گیا۔ سب تمپوران ہی جوڑتے تھے۔ اپیانی کو دس پنسیری، ادلیپی کو پندرہ، ایسا حساب ہوا۔

یہ سب دیکھ دیکھ کر کورن کا اضطراب بڑھتا گیا۔ اُسے کچھ پوچھنے کی طبیعت ہوئی۔ تمپوران خود ہی اس طرح کیوں حساب کرتے ہیں؟ اس میں اُسے بڑا بھاری دھوکا معلوم ہوا۔ اُس کا خون گرم ہونے لگا۔ کوئی کچھ نہیں بولتا۔ سب چپ چاپ اُن کا حساب مان لیتے ہیں۔ اچھا، اُس کا حساب کرنے لگیں گے تب! آخر میں کورن کا حساب کرنے کی باری آئی۔ یوسف نے جیسے سب سے پوچھا تھا اس سے بھی پوچھا "تو نے کتنا لیا ہے رے؟"

وہ تو کورن کو رات دن ہر وقت یاد رہتا ہے لیکن اُس نے کہا نہیں۔

یوسف نے حساب دیکھ کر بتلایا: "تیس روپے اور بیس پنسیری دھان۔"

کورن چونک پڑا۔ اُس نے بیس روپے اور پندرہ پنسیری دھان ہی اُدھار لیا تھا۔ غیر شعوری طور پر ہی اُس کے مُنہ سے نکل گیا:۔ "یہ غلط ہے تمرا!"

یہ غیر متوقع تھا۔ کورن اور یوسف دونوں چونک پڑے۔
حساب ـــــ وہیں سے سر اُٹھا کر تمپوران نے پوچھا "کیا کہا رے؟"
"داس نے اتنا نہیں لیا"
"پاجی کہیں کا۔ تو حساب بتاتا ہے؟"
غصّے کے مارے آپے سے باہر ہو کر یوسف کود کر کھڑے ہو گئے۔
"کیوں رے، میرا حساب غلط ہے؟ صرف تیرے لئے میرا حساب غلط ہو گیا؟ بے شرم کہیں کا!"
پیتروس نے کہا "رے کورا، تمپوران کا حساب کیسے غلط ہو گا؟"
"میں نے جو بتلایا، اتنا ہی میں نے لیا ہے"
تمپوران نے پیتروس کو قصوروار ثابت کیا۔
"ایسے شوخ آدمی کو لا کر یہاں کام میں لگا کر تم نے ہی غلطی کی ہے۔ میں نے اُس دن کہا تھا۔ دشٹ، میرا حساب غلط ہے؟"
سب نے مل کر کورن ہی کی غلطی نکالی۔ وہ بھول کر رہا ہے۔ تمپوران کا ہی حساب ٹھیک ہو گا۔
کورن سوچا کرتا تھا کہ اُسے چیروتا کے لیے کپڑا لینا، جھونپڑی کھڑی کرنی، باپ کے پاس کم از کم ایک مہینے کا خرچ بھیجنا، ایسے کتنے ہی کام پورے کرنے ہیں۔ اس سب کے لئے اتنا دھان ملے گا۔ ایسی حالت میں اس سے بھول کیسے ہو سکتی تھی؟ پھر بھی اس کی سچائی جھوٹ میں بدل گئی۔ زندگی کے خون سے تحریر شدہ سچائی جھوٹ بتائی گئی۔ اس زبردست دھوکے میں پڑ کر اُس

کے ساتھ بھی اُسے قصوروار ٹھہرانے لگے۔

کورن لاچار تھا۔ تمپوران نے پھر سے حساب جوڑنا شروع کیا۔

ہر لمحہ کورن کی روح نئے نئے جذبات اور احساسات سے بے قرار ہو رہی تھی۔ ایسا اضطراب اور بے چینی زندگی میں اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

ایسے واقعات .... ہاں بہت پہلے ہوئے ہیں۔ لیکن اُن دنوں وہ یوں مضطرب نہیں ہوا تھا ....

جنہیں تمپوران کہا جاتا ہے اُن کا یقین کیوں کرنا چاہیئے؟ ...... وہ یہ دھان جمع کر کے کیا کریں گے؟ ...... اُسے پیدا کرنے میں وہ کتنی محنت کرتے ہیں؟ آج کورن کو پہلے پہل محسوس ہوا کہ اُس کی ساری محنت کا پھل وہ جھک کر حساب جوڑنے والا ہڑپ کر جاتا ہے۔ اس کا (کورن کا) بھی گذارا ہونا ہے۔ اس کا بھی حق ہے۔ وہ کام کرنے والا ہے ...... اس دھان اور دھن میں اُس کا بھی حصہ ہے .... کسی کو رحم کرنے کی ضرورت نہیں ہے .... کورن نے دانتوں سے ہونٹ کاٹ کر دبایا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کیوں نہ زور سے رو پڑے .... کیوں نہ صاف صاف دو باتیں کہے۔ دھان پر اُس کا بھی حق ہے۔ وہ نہیں دیں گے تو وہ جبراً اپنا حق لے گا .... کیوں نہ اس دھوکے باز کی گردن مروڑ دے .... کیوں نہ ایک مشعل سے اُس کی کوٹھی کو .... ؟ کورن کو محسوس ہوا کہ اس کا دم پھول رہا ہے۔

اس نے قریب کھڑے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ سب کے سب جذبات سے عاری اور بے حس کھڑے تھے۔ اُن سب کو کچھ محسوس نہیں ہوتا کیا؟

تمبوران نے سر اُٹھا کر سُنایا "تمھیں بارہ پنسیری دھان ملے گا۔"

"ارے یہ کیسا حساب ہے؟"

یوسف کا غصّہ اب تک ختم ہو چکا تھا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُنھوں نے کہا: "حساب جھوٹ نہیں بولے گا رے!"

"کتنی پنسیری دھان میرے لئے طے ہوا تھا؟"

"اقرار نامے میں یہ صاف ہے۔"

"ایک بات کہوں گا۔ مجھے ایک ایک دن چھوڑ کر ایک ایک آنتی ہی دی گئی ہے۔ ایک آنٹی ایک بار پینے کے خیال سے اُٹھائی تھی تو وہ بھی چھین لی گئی تھی۔ یہ کیسا حساب ہے تمرا؟"

"رے یہ سب اُسی دن طے ہو گیا تھا نا کہ پُرانے رواج کے مطابق کچھ نہیں ملے گا۔ طے کی گئی رقم سے اُدھار کاٹ کر باقی تمھیں ملنا ہے۔ یہ صاف لکھا ہوا ہے۔ تم نے ایسے ہی اقرار نامے پر دستخط کئے ہیں۔"

"اُس کے مطابق میں حساب بھی جاننا چاہتا ہوں۔"

"دوسروں کا حساب ایسے ہی ہوا ہے۔"

"میں نے کتنے روپے لئے تھے؟ کس بھاؤ سے دھان کا حساب لگا کر کاٹا گیا ہے؟"

"باقی سب کے ساتھ جیسا کیا گیا ہے ویسا ہی تمھارے ساتھ بھی ہوا ہے۔"

"بُرا مت مانیئے گا! یہاں کسی نے بھی حساب نہیں پوچھا۔ یہ کیوں پوچھتا ہے،
ایسا بھی نہ سوچیئے! جھونپڑی کھڑی کرنی ہے۔ اس سال چیت میں یہیں لگا رہا،
یہاں جو ملا اس کے علاوہ اور کچھ بھی کہیں سے نہیں ملا ہے۔ داس نے دس آنے
بھی اس مہینے میں نہیں کاٹی ہے۔"

یوسف نے چپ چاپ سب سُن لیا۔ ایک پرَن کا یوں باتیں کرنا اُنھوں
نے برداشت نہیں کیا تھا۔ آج ان میں ایک تبدیلی نظر آئی۔

کورن اپنی کرُن کہانی آگے کہتا گیا۔

"داس یہاں پہلے پہل ادھنیتی میں کام کر رہا ہے۔ داس ایک نوجوان ہے۔
'یہ چھوکرا نالائق ہے' ایسا داس کے بارے میں کوئی نہ کہے، اس خیال سے داس
نے جی توڑ کر محنت کر کے دھان پیدا کیا ہے۔"

کورن کا گلا بھر آیا آنکھیں تر ہوگئیں۔

تمپوران نے کہا "سب سے اتنا زیادہ دھان نہیں ہوا ہے۔ دیکھنے میں
فصل اچھی ضرور تھی لیکن اصل میں پیداوار بہت کم ہوئی ہے۔"

"پھر بھی پار سال سے زیادہ ہی ہوئی ہے۔"

"ویسے ہی تمھاری آمدنی میں بھی کوئی کمی نہیں کی گئی ہے۔ تمھیں بھی میں
نے اپنے دوسرے داسوں جیسا ہی مانا ہے۔ تو نے ایک سال ہی کام کیا ہے،
ایسا سوچ کر تمھارا حساب نہیں کیا گیا ہے۔"

کورن کو اور بھی بہت کچھ کہنا تھا.......

تمپوران نے سب سے پوچھا۔ "اچھا، حساب کے مطابق تم لوگوں کو جو

ملنا ہے، سو ابھی چاہیئے یا بعد میں لینا کافی ہے؟"

سب اِسی وقت چاہتے تھے۔

یوسف نے اُن کی بھلائی چاہنے والے خیر خواہ کا رویّہ اختیار کیا اور کہا:۔

"سب لے کر ابھی پی کر، کپڑا خرید کر۔ اور شادی میں اِدھر اُدھر کی باتوں میں پھونک ہی دینا ہے نا؟ اس وقت بُھک مری میں وقت کاٹو گے۔ یہ دوسروں سے کیسے دیکھا جائے گا؟ تم سب کے سب گئے گذرے ہو۔ کہاں سدھرو گے؟"

سب نے کہا کہ اس وقت دھان لے کر کوئی بھی غیر ضروری باتوں میں نہیں پھونکے گا۔ صرف کورن نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اُسے محسوس ہوا کہ تمپوران کو اُنھیں اُپدیش دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اُن کے اُپدیش میں بھی کچھ نہ کچھ خود غرضی ہے۔

یوسف اندر جا کر لوٹ آئے۔ شمّل کو بُلا کر کچھ کرنسی نوٹ گِن کر دیئے اور کہا:۔ "یہ دس کا، یہ پانچ کا، یہ دو کا ہے سُنا نا؟ غلطی نہ ہو!"

پیتروس، اَپیاتی اور ادلیپی سب کو ایک ایک کرکے بُلا کر اُنھیں بھی دیا۔ درد بھرے دل سے کھڑے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کورن کی بھی باری آئی۔ اس کے دل کا درد یوں پھوٹ پڑا۔ "مجھے نوٹ نہیں چاہئیں، میں نے پنچا کھیت میں کام کیا ہے۔ دھان بھی خوب پیدا ہوا ہے۔"

اِن الفاظ میں حق طلب کرنے والے کا زور اور ایک چھپی طاقت کی للکار تھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ کچھ طے کر چکا ہے۔

یوسف ماپلا[1] نے غصہ نہیں دکھایا۔ یہ ایک حیرت کی بات تھی۔ وہ

---

[1] عیسائی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ہنس رہے تھے۔ پوچھا۔" رے دھان لے کر کیا کرے گا؟ بتا تو سہی!"

"مجھے جھونپڑی بنانی ہے"۔"تو دھان بیچ کر ہی نہ بانس اولا[1] وغیرہ خریدے گا؟"

کورن ذرا پسیجا۔ یوسف نے مزید کہا:۔" وہ دھان دوسروں کے ہاتھ

بیچنے کے بدلے ہمارے ہاتھ ہی بیچا، ایسا سمجھ لے۔ دھان یہاں رہا تو تمھیں لوگوں

کے کام آئے گا۔ اساڑھ میں، تم لوگوں کو مزدوری میں دھان ہی ملے گا۔ اس سال

یہاں دھان کم ہے۔ سرکار نے سب لے لیا ہے۔"

شمس، پیٹر دس وغیرہ سب کو تمیزان کی بات ٹھیک معلوم ہوئی۔ لیکن کورن

کو اعتبار نہیں آیا۔ اُسے اپنی مخالفت کا اظہار کرنا تھا۔ بغیر اظہار کیے رہنا ممکن

نہیں تھا۔

اُس نے پوچھا:۔"کس بھاؤ سے لیں گے تم؟"

"جو بھاؤ مقرر ہے۔"

"وہ یعنی؟"

"یہ ہم نہیں طے کرتے۔ بھاؤ سرکار نے مقرر کیا ہے۔ وہی بھاؤ ٹھیک ہے۔

اس سے زیادہ یا کم پر خرید، بکری کرنا قانون کے خلاف ہے۔ جیل جانا پڑے گا۔"

"ڈیڑھ روپیہ ہی تم؟"

"یہ تو سٹینڈرڈ ہنبیری کا دام ہے۔ ہماری دیسی ہنبیری کے لئے تو سوا روپیہ

---

[1] ناریل کے پتے کو اولا کہتے ہیں۔ اس کی چٹائی بنا کر گھر کا چھپرا اور ٹاٹ وغیرہ

بناتے ہیں۔

ہی ملے گا۔"

"اب تو تین روپیہ پنسیری دام ہے۔"

"رے چپ، چپ۔ جیل جانا پڑے گا۔"

اس میں بھی 'ہاں، میں ہاں، ملانے کے لئے اس کے ساتھی تیار تھے۔

یوسف نے کہا:۔"یہ لو، کوئی راستہ نکال دیں گے۔"

کورن نے دل مسوس کر صبر کر لیا۔

۱۶

چم دنا بڑے اصرار سے کہتی ہے کہ وہاں گھر بنا کر نہیں بسنا ہے پشپ بیلی کی زمین ہی ہیں کیا اس علاقے میں بھی کوئی کام نہیں چاہیے۔ وہاں سے چلے جائیں، کہیں بھی چلے جائیں۔

"ہم کہیں بھی چلے جائیں"۔ یہ ایک ڈر کے باعث وہ ایک بچے کی طرح بار بار کہنے لگی: چاروں طرف سے گویا اُسے ڈرانے والا کچھ ہے۔ رات دن یہ ڈر اس کے اعصاب پر سوار رہتا ہے۔

لیکن کورن کی وہاں سے چھوڑ کر کہیں جانے کی طبیعت نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ پشپ بیلی کے لوگوں سے اُسے کوئی خاص اُنس ہے۔ وہ ایک پرتن ہے۔ پرتن کا کام کھیتی کرنا ہے کہیں بھی جائے وہیں کام کرنا ہوگا۔ تب جان پہچان کے لوگوں کے درمیان ہی اچھا ہے نا؟ اتنا ہی نہیں، اُس نے پانی سے اُٹھا کر ایک گھر کے لائق زمین بھی ٹھیک کر لی ہے۔ وہ کتنے مہینوں کی محنت سے تیار ہوئی ہے۔ اُسے وہ چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ دوسری جگہ جا کر گھر کے لئے زمین تو اُٹھائی

ہی پڑے گی۔

چردتا نے ضد کرتے ہوئے کہا: ”میں یہاں نہیں رہ سکتی!“

”کیوں رمی؟“

”نہیں رہ سکتی۔ یہاں رہنے میں نقصان ہے۔“

”کیا نقصان ہے؟“

”ایسا ہی ہے۔“

اس کے کہنے کا مطلب صرف مریا جانتی تھی۔ کورن سے اُس نے کچھ نہیں کہا۔ دونوں عورتوں میں آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارہ ہوا۔

کورن نے مریا سے پوچھا: ”اس کے ایسا کہنے کا مطلب کیا ہے؟ یا تو یہ اُس کی ضد ہے یا من میں ضرور کچھ چھپا رہی ہے۔“

مریا نے جواب نہیں دیا۔

چردتا نے کہا: ”میں کہتی ہوں کہ ......“

اس نے مریا کی طرف دیکھا۔ مریا نے آنکھیں مچکا کر اشارہ کیا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ اپنے ڈر کی بات چردتا کہیں کہہ نہ دے۔ تب معاملہ بگڑ جائے گا۔

چردتا نے کہا: ”پشپ بیلی تمپوران کے ساتھ سدا اَن بن رہتی ہے۔ تمپوران اور اس کے لڑکے سب خراب ہیں۔ بڑے لالچی اور شیطان ہیں۔ اس سال یہاں رہیں گے تو ضرور مار پیٹ ہو جائے گی۔ اس لئے میں نے کہا کہ یہاں سے چلے جائیں۔“

مریا کو اطمینان ہوا کہ چردتا نے عقل سے کام لے کر بات گھما کر

سُنادی۔

پیتردس جو بیٹھا بیٹھا یہ سب سُن رہا تھا بولا: "تم ایسا مت کہو چردتا! میں یہ نہیں مان سکتا۔ اس علاقے ہی میں نہیں آس پاس بھی کہیں اتنے اچھے تمپوران نہیں ملیں گے۔ دوسری جگہوں میں کام کرنے والے لوگوں کو پیٹ پیٹ کر مار ڈالتے ہیں۔ جانتی ہو؟"

چردتا کہتی رہی کہ وہ سب شیطان ہیں۔

جب کورن اور پیتردس باہر چلے گئے تو مریا نے چردتا سے کہا: ۔ "تو کیا کہہ رہی ہے بیٹی؟ کہیں بھی جاؤ، یہی حالت ہے۔ کہیں اور اس سے زیادہ مصیبت آسکتی ہے۔ ہر جگہ چھوٹے تمپوران لوگ جوان سڈول ملتی اور پرئی لڑکیوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ یہیں اچھا ہے۔ ایک کہانی سنو گی؟"

مریا جو جو کہانیاں اُسے معلوم تھیں سُنانے لگی۔ مالک لوگوں کے ذریعہ پرِیا اور پلیا لڑکیوں کی عصمت دری کی کہانیاں! وہ مالک لوگ کون ہیں؟ مریا نے کچھ مشہور گھرانوں کے نام گنوائے۔ وہ بڑے بڑے چھوٹے مالک لوگ ہیں۔ ان میں نائر، ایژوا[1]، عیسائی اور مسلم سب ہیں۔ چردتا ڈر گئی۔ ایک پلئی یا پرئی کی عصمت جسے ایک جھونپڑی میں سونا پڑتا ہے، کیسے محفوظ رہ سکتی ہے؟ اس کی کیا خبر ہے کہ اُس پر ایک ہی نے نظر لگائی ہے۔

چردتا نے کہا: "مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر آئے گا۔"

---

[1] ہندوؤں کا ایک چھوٹا طبقہ

کورن نے جھونپڑی بنانے کے لئے بانس اور اولا وغیرہ سب خرید لیا۔ شمنل، پیتروس، اولمپی وغیرہ سب نے مل کر چھ کھمبوں کے سہارے ایک کوٹھری والی جھونپڑی کھڑی کر دی۔ چھپر کا کام ہو چکنے پر معلوم ہوا کہ چاروں طرف ٹاٹ لگانے کے لئے بانس اور اولا نہیں بچے اور خریدنے کے لئے پیسے بھی نہیں رہے۔ پھر بھی رسّی میں اولے کا ایک ایک ٹکڑا باندھ کر چاروں طرف پردے کی طرح لٹکا کر کام نکالا گیا۔ ذرا بھی ہوا چلنے پر وہ سارا ہلتا رہتا تھا۔

اس طرح کی بے پردہ جھونپڑی میں رہنے سے چِروتا نے انکار کر دیا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس جھونپڑی میں نہیں آئے گی۔ کورن کو غصہ آیا۔ چِروتا جیسا چاہتی ہے ویسا چاروں طرف مضبوط ٹاٹ لگا کر اندر سے کلی لگا کر بند کرنے والا دروازہ لگا ہوا گھر کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ کتنے ہی خاندان پنچا کھیت کے باندھ ہی پر مچان بنا کر گذر بسر کرتے ہیں۔

کورن نے پوچھا:۔ ”دھن کوٹھی ادھی لگا کر گھر بنانے کے لئے اس میں رکھنے کے لئے کیا؟ کوئی خزانہ دھرا ہے، جس کے چوری چلے جانے کا ڈر ہے؟“

چِروتا نے پوچھا: ”بے پردہ گھر میں ایک عورت کیسے رہ سکتی ہے؟“

واہ! پردہ نہ ہونے سے کیا کوئی آکر تمھیں پکڑ لے جائے گا؟“

”وہ بھی کیوں نہیں ہو سکتا؟ باڑھ کے دنوں میں کھیت میں سے گھڑیال ہی آکر اٹھا کر لے جا سکتا ہے۔“

”واہ، واہ، گھڑیال ہی آکر اٹھا لے جا سکتا ہے!“

جھونپڑی کے چاروں طرف ٹاٹ باندھ کر تیار کرنے کے بعد ہی اُس میں جانا ٹھیک ہے۔ مریا نے بھی چرونا کی عند کی تائید کی۔ اُس نے مزید کہا:۔ "عورتوں کو اچھی طرح بند گھروں ہی میں سونا چاہیئے۔ یہی قاعدہ ہے"۔

اس طرح جھونپڑی ٹھیک کرنے کے لئے دس بیس روپے اور لگ جائیں گے۔ اس کے لئے تمپوران سے پھر قرض لینا پڑے گا۔ جیسے بھی ہو، اُس کا اپنا الگ گھر ہونا ضروری تھا۔

کورن یوسف سے ملا۔ پہلے کی طرح کورن سے دستخط کرا کر یوسف نے اُسے دس روپے نقد اور دس روپے کے ادلے دیئے۔ تب کورن سے صاف کہہ دیا: "ان بیس روپوں کے بدلے اگلے سال تیری آمدنی سے بیس پنیری دھان لوں گا۔ ابھی سے کہے دیتا ہوں۔ تُو تو حساب پوچھنے والا ہے نا؟ اس لئے پہلے ہی سے کہہ دینا ٹھیک ہے"۔

کورن نے کچھ جواب نہیں دیا۔ کتنا بھی کم ہو جائے گا، اگلے سال پھاگن چیت میں دھان کا دام کم سے کم تین روپے پنیری ضرور ہو گا۔ یہ بات بھی اُس نے سوچی۔ لیکن .... لیکن ....،

اچھا دن دیکھ کر ایک دن چرونا اور کورن ہیرس کی جھونپڑی سے اپنی جھونپڑی میں گئے۔ کورن نے سوچا کہ اس مبارک موقع پر اڑوس پڑوس کے لوگوں کو مدعو کر کے اُن کی کچھ خاطر تواضع کرنا ضروری ہے۔ اُس کے لئے کورن

نے بشپ بیلی تمپوران سے کام کر کے چکانے کا قرض لینے کا فیصلہ کیا۔

پیتر دس نے کہا: ۔" اس طرح کا قرض لوگے تو پھاگن چیت میں حساب کرتے وقت کیا کروگے؟"

کورن نے جواب نہیں دیا ۔ اُس کے چہرے سے مصمّم ارادے کا اظہار ہو رہا تھا ۔ اُس کے منہ سے صرف "اونہہ" نکلا گویا وہ اس کے مصمم ارادے کا اعلان تھا غیمتل، پیتر دس وغیرہ سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا: " اِس لڑکے کو قرض لینے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی ۔"

کورن نے جواب دیا کہ بشپ بیلی تمپوران جتنا قرض دیں گے (اتنا) لینے میں اس کا ہاتھ نہیں کانپے گا ۔ اتنا ہی نہیں وہ پھر قرض مانگنے کو تیار ہے ۔

اس کی بے فکری پر تعجّب ہوتا تھا ۔ تخیّل سے باہر کی بات تھی تین بار کر کے جب وہ تیس روپے اور لایا تب چیرو تا چونک پڑی ۔ " کیا سوچ کر یہ قرض پر قرض لیتے جاتے ہو؟"

چیرو تا کی گھبراہٹ دیکھ کر کورن ہنس پڑا، اور ہنستے ہنستے اُس نے کہا:

" تم کیوں ڈرتی ہو ؟"

" قرض لیتے ہو تو چکانا بھی ہوگا نا؟"

" جب ہوگا تب ہوگا ۔"

" واہ! کیسی بات ہے! نہ، نہ، ایسا مت کرو! جو ہے اِسی میں گذارا کر لیں گے ۔"

کورن کے جواب نے ایک نیا رُخ اختیار کیا: ۔" ری، یہ دھن اور دھان

سب وہ کہاں سے، آسمان سے لاتے ہیں؟"

"اُن کے کام کا پھل ہے۔"

"کن کے؟ انھوں نے کوئی کام نہیں کیا۔ ہمیں لوگوں نے محنت کر کے اُن کے لئے دھان پیدا کیا ہے۔ کیا انھوں نے پٹینے کا جو کام کیا، وہی کام؟"

"کیسی پاگل پن کی باتیں کرتے ہو!"

کورن نے اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے لئے شاندار دعوت کا انتظام کیا۔ اس دعوت میں چاتن بھی آیا۔ اس طرح کورن اور چرونتا اپنے نئے گھر میں رہنے لگے۔

سر پر قرض ہو جانے پر بھی چرونتا کو ایک نیا حوصلہ اور فخر محسوس ہوا۔ اُس کے پاس اب اپنا ایک گھر ہو گیا۔ فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے، شام کو آرام سے لیٹنے کے لئے اپنا ایک گھر تو ہو گیا۔

اُسے پورے گھر کا روپ دینے کے لئے اس میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ ابھی تو اس میں صرف دو ہانڈی، چار مٹکے اور چٹائی اتنا ہی سامان ہے۔ لیکن ادھر قرض تو ناک تک چڑھ گیا ہے۔

ایک دن چرونتا کورن کی گود میں سر رکھ کر لیٹی ہوئی تھی۔ کورن درانتی کی مدد سے اس کے بالوں سے جوں نکال نکال کر مار رہا تھا۔ اُس نے کہا: "مجھے ایک اور کام کرنا ہے۔"

چرونتا نے پوچھا :۔ "کیا کام کرنا ہے ؟"

"وہی کام"!

چرونتا نے آنکھ اٹھا کر کورن کی طرف دیکھا ۔ اُس کی آنکھوں میں کیسی چمک ہے؟ کورن نے اپنا سر نیچا کیا ۔ چرونتا نے اپنے دونوں ہاتھ کورن کے گلے میں ڈال دیئے ۔ دونوں کے ہونٹ ایک طویل بوسے کی صورت میں آپس میں مل گئے ۔

کورن نے پوچھا :۔ "اپنی چرونتا کو آبھوشا لے جا کر سینما دکھانا ہے نا؟"

ایک ننھی بچی کی سی خوشی کے ساتھ چرونتا نے "ہاں" کر دی ۔

"آبھوشا جانا ہے تو ایک اچھا بلاؤز اور اچھا کپڑا چاہیئے"!

یہ ایک نیا سوال تھا! ایک نہیں، کئی سوال، جن کا کورن کے ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا ۔ نیا بلاؤز اور اچھا کپڑا پہن کر سج دھج کر نکلے گی تو؟.....

"یہی بلاؤز اور کپڑا پہن کر جاؤں تو کیا ہرج ہے؟" چرونتا نے پوچھا ۔

"یہ گندا ہے نا"

"کافی ہے ۔ یہی پہنا کافی ہے"

مریا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے ۔ "سڈول تگڑی پرتی اور ملپئی لڑکیاں جب سج دھج کر نکلتی ہیں تب......" چاکو کا گھورنا اُسے یاد آ گیا ۔ وہ گھبرا کر بولی :۔ "مجھے ایک پرانے ڈھنگ کی پرتی کی طرح رہنا اچھا لگتا ہے ۔ یہ پرانا کالا کپڑا پہن کر رہوں تو کیا پیار نہیں کرو گے؟"

چرونتا نے بے ریا جذبے ہی سے یہ سوال پوچھا تھا ۔ وہ اپنے رہے گی

توشوہر کی محبت قائم نہیں رہے گی ...... یہ ایک اور نیا سوال!

کورن نے اس سوال کا جواب اس کے رخساروں کا بوسہ لے کر دیا۔

چرونا نے آگے کہا:۔ "مجھے سج دھج کر سنگار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے دیکھنے والا ایک آدمی ہے میں اس طرح رہوں تو بھی وہ مجھے پیار کرے گا۔ مجھے ...... مجھے ...."

اس نے آگے نہیں کہا۔ لیکن اس کی آنکھوں نے اس کی حسرت کو نمایاں کیا۔

کورن نے تجسس سے پوچھا۔ "میری چرونا کو کیا چاہیے؟"

"مجھے ...... مجھے ......"

"کیا ہے ری؟ بولو نا!"

"میں ماں بننا چاہتی ہوں۔"

کورن ہنس دیا۔ چرونا شرما گئی۔

۱۷

اس سال پہلی باڑھ کے دن گزر گئے ۔ کٹناٹ پلیڑ اور پرتر کے پاس جو کچھ تھا، وہ سب ختم ہو گیا ۔ سب ایک نہ ایک تمیوران کی ادھمیتی میں شامل ہو گئے ۔

پشپ بیلی یوسف کو ایک ایکڑ زمین پانی میں سے اُٹھا کر گھر بنانے لائق کرنی تھی ۔ اس سال کا وہ اُن کا خاص کام تھا ۔ ہر مزارع کو ایک ایک ناڈوے کر کام شروع بھی کرا دیا گیا ۔

پہلے دن کے کام کے بعد کام کرنے والے مزدوری کے لئے پشپ بیلی میں جمع ہوئے ۔ بارہ آنے کے حساب سے مزدوری دی گئی ۔

کورن کورات کو کھانا کھانا ہے تو دھان لینے ہی سے کام چلے گا ۔ اس نے کہا: "تمرا! داس کو دھان دینا کافی ہے پیسہ نہیں چاہیئے "

ایک ہی جواب سے یوسف نے اس درخواست کو ٹھکرا دیا: "دھان نہیں ہے! شیطان، ابھی دھان لے کر کہیں لے جا کر چور بازار میں بیچنا ہے؟"

"نہیں تمرا، اپنے کھانے کے لئے ہی چاہیئے "

"جا، جا!"

باقی سب مزدور بغیر کچھ کہے ہی جانے کے لئے اپنی اپنی ناؤمیں جا بیٹھے۔
کورن کے وہاں اکیلے کھڑے رہنے سے فائدہ ہی کیا؟ وہ بھی چلا گیا۔

اس رات وہ پیسہ لے کر چاول خریدنے کے لئے دوکانوں اور گھروں میں گھومتا رہا۔ چاول سب جگہ تھا لیکن لوگ ایک سیر کا دام ڈیڑھ روپیہ بتلاتے تھے۔ اتنا مہنگا کیسے خریدے؟ خریدے بھی تو آدھ سیر چاول سے کیا ہوگا؟

رات کو اس طرح جب وہ چاول خریدنے کی فکر میں گھوم رہا تھا تب گہرے اندھیرے کی اوٹ میں ہونے والی کچھ باتیں اُسے دیکھنے کو ملیں۔ ایک بڑے کسان کے گھر کے سامنے گھاٹ پر جہاز کی بڑی بڑی کشتیاں پڑی تھیں۔ اس کے گھر کے دھان کے بورے کے بورے اُن کشتیوں میں ڈالے جارہے تھے۔

ان میں سے ایک سیر دھان بھی اُسے مل جاتا تو اُس نے اس دن دوپہر کو پشپ بیلی میں کہنی پی تھی۔ لیکن بے چاری چرِوتا کو وہ بھی نہیں ملی تھی۔ کورن سوچ میں پڑ گیا۔ چرِوتا اُس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ اُس نے محسوس کیا کہ آدھا سیر چاول مل جائے تو وہ بھی کچھ کھا سکتی ہے۔

کورن کی سمجھ میں اب یہ بات آگئی کہ یوسف کیوں مزدوری میں دھان نہیں دیتے۔ دھان کا دام خوب بڑھا ہوا ہے۔ اس طرح اُن کے یہاں بھی راتوں رات خرید بکری خوب چلتی ہوگی۔ کورن کو اپنی آنکھوں کے سامنے

چاول نہ ملنے سے ہونے والے فاقوں کے لمبے ــــ بہت لمبے دن دکھائی دینے لگے۔ اس طرح دھان کا دام جب تک زیادہ رہے گا۔ پشپ بیلی سے مزدوروں کو دھان نہیں ملے گا' یہ طے تھا۔

وہ رات کے اس بیوپار کی بات ظاہر کر دے تو کیا ہرج ہے؟ مزدوری میں دھان نہ ملے تو کام ہی پر نہ جائے ..... کورن نے سوچا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو جانتا تھا۔ وہ سب کام پر جائیں گے۔ وہ اکیلا پیچھے رہ جائے گا۔

آدھی رات کے بعد چھ آنے میں پاؤ بھر چاول اور ڈیڑھ آنے کی مرچیں لے کر کورن گھر پہنچا۔ چرونا سوئی نہیں تھی۔ دروازہ احتیاط سے بند کر کے وہ بیٹھی انتظار کر رہی تھی۔ گھاٹ پر کشتی لگنے کی آواز سنتے ہی اس نے تجسس میں بھر کر پوچھا ــ "کون ہے؟"

"ری' میں ہوں!"

چرونا سمجھ گئی۔ اُٹھ کر اُس نے دروازہ کھولا۔ آج آدھی رات کے بعد چولہے میں آگ جلی اور اس جھونپڑی میں اُجالا ہوا۔ 'پیٹ ٹھیک نہیں ہے' کہہ کر کورن لیٹ گیا۔ جب کنجی تیار ہوئی تب چرونا نے کورن کو اُٹھایا۔ اُسے کچھ کھلا کر ہی وہ مطمئن ہوگی۔ کورن نے صحت کی خرابی کا بہانہ کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نہیں کھاؤں گا۔"

"تو میں بھی نہیں کھاتی۔"

"میرے پیٹ میں درد ہے۔"

چرونا نے تھوڑا کھا لینے پر زور دیا۔ آخر اس کی بات کورن کو ماننی

پڑی۔ چولہے کی بجھتی ہوئی روشنی میں ایک مٹی کی کڑاہی میں میاں بیوی ساتھ ساتھ کنجی پینے بیٹھے۔

چروتا نے کہا:۔ "کیوں صرف دکھانے کے لئے کھا رہے ہو؟"

"نہیں ری، میں کھا رہا ہوں۔"

کنجی میں سے ایک حصہ چروتا نے نکال کر الگ رکھ دیا تھا۔ کورن نے وہ دیکھ لیا۔

"ری، وہ چھپا کر کیوں رکھا ہے؟"

چروتا ہنس پڑی۔ محبت سے اس کی ٹھوڑی کو ہلاتے ہوئے کورن نے پوچھا:۔ "یہ کیوں رکھا ہے؟ پاؤ بھر چاول ہی تو بنایا ہے! لے کر پی لو!"

"کل دوپہر کے بعد ہی تو پاؤ بھر کنجی پینے کو ملے گی۔ سویرے تھوڑا پی کر جا سکتے ہو۔"

"نہ، مجھے نہیں چاہئے۔ تم نے دن بھر کچھ نہیں کھایا ہوگا۔"

"میرا تو پیٹ بھر گیا۔ کل سویرے پیتے وقت کڑاہی میں ایک گھونٹ میرے لئے چھوڑ دینا۔ وہ کافی ہے۔"

پیٹ بھر کھانا نہ ملنے پر بھی دونوں سو گئے۔ کورن کے مضبوط جسم کا سہارا پاکر چروتا نڈر اور بے فکر ہو کر سوئی۔ اتنے میں ککڑ دں کوں، ککڑ دکوں کر کے مرغ نے صبح کی آمد آمد کی خبر سنائی۔

سویرے باقی بچی کنجی اور بھاجی کی بات میاں بیوی میں ایک اور جھگڑے کا باعث بنی۔ اس لئے نہیں کہ چروتا نے سب کھا لیا، بلکہ اس لئے کہ وہ

زور دے رہی تھی کہ سب کورن ہی کھائے۔

اُس دن بھی کورن نے دھان مانگا۔ لیکن مزدوری میں ایک روپیہ ملا۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈ کر آدھا سیر چاول اور مرچینی خرید کر جب وہ گھر لوٹا۔ تب گھر میں کسی کی بات چیت سنائی پڑی۔

بات کرنے والا اُس کا باپ تھا۔ اس کا روٹھا ہوا باپ۔ وہ بالکل بدل گیا معلوم ہوتا تھا۔ مٹی کے تیل کے دیئے کے سامنے بیٹھ کر وہ چیروتا سے باتیں کر رہا تھا۔ کورن نے باپ کو چیروتا سے بیٹی کہہ کر باتیں کرتے سُنا۔ اُس کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو اُمڈ آئے۔

"باپو، باپو" پکارتا ہوا کورن اندر گھسا۔

"بیٹا!"

باپ بیٹے محبت سے بغل گیر ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر چیروتا کا دل خوشی سے ناچ اُٹھا۔

بوڑھے کا سارا جسم ٹھنڈ سے سوج گیا تھا۔ وہ اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن بیٹے کو دیکھ کر وہ خوشی کے مارے اُٹھ کھڑا ہوا۔ پاؤں کے کانپنے سے وہ گرنے ہی والا تھا کہ کورن نے اُسے پکڑ لیا اور پوچھا:۔

"یہ کیا ہو گیا ہے باپو؟ سارا جسم سوجا ہوا ہے"

"ہاں، بیٹا! اب زیادہ دن باقی نہیں ہیں"

کورن نے سہارا دے کر باپ کو آہستہ سے بٹھایا۔

بوڑھے نے کہا: "چاول کا پانی پیئے دس دن ہو گئے ہیں۔ مرچینی پر

ہی گذارا کر رہا تھا اس لئے یہ حالت ہو گئی بیٹا! جن کے پاس دھان ہے وہ باہر دکھاتے تک نہیں۔ رات کو سات روپے کے بھاؤ سے بیچتے ہیں۔"

بوڑھے نے اپنی ڈھیلی لنگی کسی۔ باپ کو اس حالت میں دیکھ کر کورن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ آج وہ اُٹھ کر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔

اپنے جرم کا خیال آتے ہی اس کا دل پھٹنے لگا۔ اس بوڑھے کو تکشی[1] میں اکیلے چھوڑ کر اپنے سکھ کے پیچھے پڑ کر چر دتنا کے ساتھ دوسری جگہ رہنے لگا ہے۔ کیسا بڑا گناہ کیا ہے اس نے؟ اس کا ایسا کرنا کسی بھی حالت میں جائز نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس بوڑھے نے کتنی تکلیف اُٹھا کر اُس کی پرورش کی تھی۔ رُوٹھے رہنے پر بھی آج وہ اس کی ـــــ اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلا ہے۔ اس کے علاوہ اور کون ہے اس بوڑھے کا؟......... کسی بات کا فیصلہ کر لینے کے بعد اس سے وہ کبھی تل بھر ہٹنے والا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ رہتا تو اس کی یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔

اب اس حالت میں اُٹھ کر وہ کھیت میں باندھ پر نہیں جا سکے گا۔ ایک باندھ پر کھڑے ہو کر دور دوسرے باندھ پر کھڑے آدمی کو آواز دے کر پہلے کی طرح اب وہ پکار بھی نہیں سکتا۔ اس کے پھیپھڑوں میں اب وہ طاقت نہیں رہی۔ آخری دن اپنے بیٹے کے پاس گذارنے کے لئے وہ ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں پہنچا تھا۔ کنجی ملنی چاہیئے یہی اُس کی آخری خواہش تھی۔

---

[1] گاؤں کا نام۔

اس نے ایک دس پنسیری والی زمین کے کسان کے یہاں اپنی آٹھ سال کی عمر سے کام کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے بعد اس کسان کا کروڑ پتی ہونا، پھر برباد ہونا، دوبارہ ترقی کرنا، سب ہوا۔ کتنے کروڑ پنسیری دھان اپنی زندگی میں اس نے پیدا کیا ہوگا۔ کتنا کاٹا، کتنا میڈا، اور کتنے کروڑوں کے پیٹ اپنی محنت سے بھرے ہوں گے!۔

اس آدمی نے زندگی میں عوام کے لئے کیا کیا قربانی نہیں کی۔ آج وہی سانس کی "گھر گھر" میں زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہے۔ بھات سے نکلا پانی ملے بھی اُسے دس دن ہو گئے ہیں۔ اس نے جو دھان پیدا کیا وہ سب دوسروں کے لئے ہی تھا۔

بوڑھے نے پوچھا:۔ "بیٹا، تم لوگوں کو یہاں مزدوری میں دھان ملتا ہے نا؟"

قریب بیٹھے باپ کی کمر دباتے ہوئے کورن نے کہا: "نہ باپو، دھان کہیں باہر دیکھنے کو بھی نہیں ملتا۔ کل رات کو پاؤ بھر چاول خریدا تھا۔ آج بارہ آنے میں آدھا سیر خرید کر لایا ہوں۔"

چیرو تا سے کورن نے پوچھا:۔ "ری، باپو کو دیا یا نہیں؟"

ایک مسکراہٹ کے ساتھ چیروتا نے جواب دیا:۔ "کیا تھا دینے کو؟ میں نے کل ایک سوپ بُن کر رکھا تھا۔ اُسے بیچ کر ساڑھے تین آنے کے پیسے کا چاول لے کر آ رہی تھی۔ تب ہی بابا آ گئے۔ اس چاول کی کنجی بنا کر ہم دونوں نے پی لی۔"

بوڑھے نے اُس کے بیان کے آخری حصّے کی تردید کی۔ "دو تین چھٹانک چاول کی کنجی، بنائی تو تھی، پر اُسے ختم میں نے ہی کیا ہے۔ اس نے ذرا بھی نہیں پی۔ سب مجھے ہی پلا دی۔"

چرو تا خوش تھی۔ اس نے کہا: "بابا یونہی کہہ رہے ہیں میں نے بھی پی لی ہے۔"

بوڑھے نے چرو تا کی طرف دیکھ کر کورن سے شکایت کی: "بیٹا، یہ کیسی سندر اور سڈول لڑکی تھی۔ اب ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں۔"

کورن نے اپنا قصور مان لیا۔ بات ٹھیک ہی ہے۔ شادی سے پہلے وہ کتنی موٹی اور تندرست نظر آتی تھی۔

کورن نے کہا: "وہ دوسروں کو کھلاتی ہے اور خود سوکھتی جاتی ہے۔"

"ہاں، ہاں۔ آج میں نے دیکھ لیا۔" بوڑھے نے بیٹے کی تائید کی۔

آدھ سیر چاول اور مرچیں سے اس رات کو اس جھونپڑے سے کنبے کا گذارا ہوا۔ کورن کی زندگی میں وہ ایک ہمیشہ یاد رہنے والا دن تھا۔ اپنی مزدوری سے باپ کا ایک دن کا قرض آج اس نے چکایا۔

پون پاؤ چاول کی کنجی بوڑھے نے پی۔ زیادہ لینے کی خواہش تھی، لیکن لے نہیں سکتا تھا۔ ارکل گھر میں جب اُسے ایک کڑھائی بھر چاول ملتا تھا تب وہ چار منٹ میں ختم کر دیتا تھا۔ اب چار گھونٹ ہی اُسے کافی معلوم ہوا۔ اس نے ڈکار لی۔ کورن کو اطمینان ہوا۔

چرو تا نے دوسرے دن سویرے کے لیے تھوڑا رکھ لیا۔ کورن نے اعتراض نہیں کیا۔ جیسے بھی ہو، دوسرے دن وہ دھان ہی مزدوری میں لے گا،

ایسا اس نے طے کیا۔ باپو کو کم سے کم ایک مرتبہ تو بھر پیٹ کھلا دینا ہے۔ وہی اس کی محض ایک آرزو تھی۔

اُس دن شمّل، اٹیاتی وغیرہ سب نے کورن کی رائے کی تائید کی۔ اُن کے گھروں میں گذشتہ روز کھانا نہیں پکا تھا۔ چاول کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔

لیکن غریب پرئرا ور پلیّر کی آرزوئیں بھی کبھی پوری ہوتی ہیں۔ ایک ایک روپیہ اُن کے سامنے پھینک کر یوسف نے سنجیدگی سے کہا: "چاہئے تو لے جاؤ۔ یہاں دھان نہیں ہے۔ کام نہیں کرنا ہے تو قرض چکا کر جا سکتے ہو۔"

کسی نے بھی روپیہ نہیں لیا۔ یوسف غصّے میں بول اُٹھے: "سب کو ...... میں کہے دیتا ہوں۔ سب کے سب کل نکل جاؤ! فلتے میں دن گذارنے کا زمانہ ہے۔ کام دے کر مزدوری دینا کافی نہیں ہے؟ شیخی دکھلاتے ہیں۔"

پچھلے دن فاقہ ہم کرنا پڑا تھا۔ شمّل روپیہ اُٹھا کر چلا گیا۔ پھر دوسرے دن نے بھی ویسا ہی کیا۔

۱۸

کٹناٹ میں کہیں بھی مزدوری میں دھان نہیں ملتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمینداروں نے مل کر کوئی خفیہ فیصلہ کر لیا ہے۔

سب پریّر اور پلیّر مصیبت میں تھے۔ سب نے ایک دن کورن سے اُس کے گھر پر ملنے کا فیصلہ کیا۔

"رہے ، ہم سب مل کر رہیں تب ہی تو کام پڑے گا۔ تمرا سب مل کر ایک ہو گئے ہیں۔" یہ بات بنا کسی کے سمجھائے ہوئے ایک بوڑھی پریّی نے کہا۔

"اس کشتی کی سیر کے دن جس نوجوان نے غریبوں کی بات لے کر تقریر کی تھی، اُسے بلایا جائے۔" کسی نے یہ رائے دی۔

اس رات کو لگ بھگ ساٹھ پریّر اکٹھے ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی شکایتیں بیان کیں۔ سب نے منظم ہو کر رہنے کا ارادہ کیا۔ اتنے پریّر اکٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر انھیں محسوس ہوا کہ ان میں بھی طاقت ہے، وہ بھی کچھ کر سکتے ہیں۔ مخالفت کر سکتے ہیں۔ کورن کا بوڑھا باپ بھی لاٹھی کے

سہارے کھڑا ہو گیا۔

آئندہ اتوار کو نریندر نامی ایک پر یا نوجوان کی صدارت میں جلسہ کیا گیا؛ لیکن کسانوں نے اس جلسے کا مقصد نہیں سمجھا۔

پانی میں ڈبکی لگا لگا کر کو دون نکال کر کام کرنے والے آندھی پانی دھوپ سردی سب برداشت کر کے کام کرنے کی طاقت رکھنے والے پلسر اور پر ئر کو آج بھوک لگی تھی۔ قدرت کی طاقت کو بھی اپنے قابو میں کرنے والی اُن کی قوتیں کیسے بیدار کی جا سکتی ہیں یہ پہلے اُنھیں معلوم نہیں تھا۔

تمپوران نے سوچا، اس جلسے کی قانون کی نظر میں کیا وقعت ہے؟ صدر کون تھا؟ کہیں کا ایک پر یا نوجوان۔ سُننے میں آیا کہ کچھ ریزولیوشن بھی پاس ہوئے۔ کس نے ریزولیوشن رکھا، کس نے تائید کی؟ اس طرح کے بے قاعدہ جلسے کی کیا اہمیت؟ بے کار جلسہ! .... ایسا سوچ کر تمپوران لوگ ہنس پڑے۔

لیکن اس رات کو ایک واردات ہوئی۔ اس تعلقے کے ایک سرکردہ کانگریس لیڈر کے گھر سے خریدے ہوئے دھان کے بوروں کی ایک کشتی اس جلسے کے کچھ پر ئر اور پلسر نے مل کر پکڑ لی۔

منظم ہو کر پر ئر اور پلسر کی زبان بھی کھل گئی۔ جب مالک لوگ کہتے کہ وہ اُن کی ضرورتیں پوری کریں گے اور مزدوری فراخدلی سے دیں گے، تب

وہ جواب بھی دینے لگے۔

کورن کے باپ کو محسوس ہوا کہ وہ ایک بڑے جھگڑے کی ابتداء ہے۔ اس میں زیادہ ہاتھ کورن کا تھا۔ مالک لوگوں کا غصہ اس پر تھا۔ بھگوان جانے کیا ہونے جا رہا ہے!

بوڑھے کو اپنے زمانے کی بات یاد آئی۔ اُن دنوں پیداوار کا ایک حصہ کام کرنے والوں کا ہوا کرتا تھا۔ مالک لوگ مزارعوں کو کسان کے کنبے ہی کے افراد مانتے تھے۔ اُن دنوں بھی کام کرنے والوں کو شکایتیں تھیں۔ پھر بھی حالت آج سے کئی گنا بہتر تھی۔

بوڑھے کی ایک ہی درخواست تھی۔ کورن کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔ بیٹے کو کچھ ہو، اس سے پہلے ہی اس کا مرجانا اچھا ہے۔ وہ ہر روز کورن کو سمجھاتا۔

"بیٹا تم اپنے کو کسی خطرے میں نہ ڈالنا"

ایک دن بوڑھے نے بڑھیا کھانا کھایا۔ اُسے ہر روز کم سے کم ایک جُون بھات مل جاتا تھا۔ اور اس کی ضرورت کے مطابق پانی بھی۔ ایک مقامی وید سے اس کا علاج بھی ہونے لگا۔

مانتو گھرانے کا ایک مزارع جنین کے لئے لڑکی لانے والا تھا۔ اس دن جنین کے گھر میں ایک جلسہ ہونے والا تھا۔ کورن بھی گیا۔ چردتا کو کورن کے بغیر ہی ایک رات گذارنی تھی۔ بوڑھا باپ جسے اچھی طرح دکھائی بھی نہیں

دیتا تھا۔ اور خود اُٹھنے بیٹھنے سے بھی وہ لاچار تھا صرف کچھ باتیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی چرُدتانے اپنا خوف ظاہر نہیں کیا۔

کورن کے جانے کے دو گھنٹے بعد بوڑھے کو کپکپی محسوس ہوئی۔ اس میں بولنے کی سکت نہیں رہی، اس کے لئے سانس لینا بھی مشکل تھا۔

رات کے قریب آٹھ بجے ہوں گے۔ خوش قسمتی سے اس روز دیئے میں مٹی کا تیل تھا۔ چرُدتا بوڑھے کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ اس کا چہرا دیکھ کر چرُدتا کو ڈر محسوس ہونے لگا۔ وہ اُس کے شفیق سُسر کے چہرے جیسا نظر نہیں آتا تھا۔ بوڑھا اگرچہ کچھ بولتا اور چرُدتا کو "بیٹی! بیٹی!" پکارتا جاتا تھا، تو بھی چرُدتا کو ایسا نہیں لگا کہ وہ وہی اس کا سُسر ہے۔ یہ کیسی تبدیلی ہے!

تھوڑی دیر کے بعد اس کی زبان بھی بند ہوگئی۔ سانس لینے کی تکلیف بڑھ گئی۔ بوڑھا مر رہا تھا۔

چرُدتا نے پکارا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ تھوڑی دیر کی پریشانی کے بعد بوڑھا چل بسا۔

چرُدتا اکیلی!

اسے کتنا پیار کیا اور اُس سے کتنی شفقت حاصل کی۔ پھر بھی مردے کے قریب آدھی رات کے وقت وہ اکیلی! .... اُسے محسوس ہوا کہ چاروں طرف بھوت ہی بھوت منڈلا رہے ہیں۔

کورن اس موقع پر بیٹے کے فرض کو پورا نہ کر سکا۔ جب لوٹا تو وہ اس کے پاؤں پکڑ کر رو پڑا۔

اس طرح روتے رہنا ہی کافی نہیں ہے؟ کام بھی تو ہونا ہے۔ مردا کہاں گاڑا جائے؟ گھر کے پاس جگہ کافی نہیں ہے۔ یہاں کی مٹی بھی تو نئی نئی اٹھائی ہے۔ ذرا کھودنے پر پانی نکل آئے گا۔ پٹپ پیلی کی ایک اچھی زمین پڑی ہے' جس میں اب کوئی نہیں رہتا۔ وہاں دفنایا جائے تو اچھا ہوگا۔ یوسف سے پوچھنے کے لئے ایک آدمی چلا گیا۔

وہ لوٹ کر آیا۔ یوسف نے جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ مرتے وقت اگر گرجے میں خبر کر دی ہوتی تو بوڑھے کی آخری رسوم ادا کر کے مردے کو گرجے کے قبرستان کے پلیا حصے میں دفنا دیا جاتا۔ اب بھی کورن عیسائی بننے کے لئے تیار ہو جائے تو بھی بوڑھے کی لاش لاوارث مردوں کو گاڑنے کے حصے میں دفنائی جا سکتی ہے۔

کورن نے جو بیٹھا رو رہا تھا' کہا: "گاڑنے کی جگہ کے بارے میں فکر مت کرو! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

اس پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ پھر سب مل کر سوچنے لگے۔ کسی اور گھرانے میں کیوں نہ پوچھ تاچھ کی جائے۔ یہ خیال کورن کو ناقابلِ برداشت معلوم ہوا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کسی نے بھی نہیں سمجھا کہ وہ اب کیا کرے گا۔ کورن گھاٹ پر پڑی ناؤ میں چڑھ کر شمال کی طرف گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ

وہ کسی سے پوچھنے جا رہا ہے۔

"جو بھی ہو، مردے کو نہلانے وغیرہ کا کام ختم کیا جائے۔" ایک نے رائے دی۔ بوڑھے کی لاش کو نہلا کر اس کی پیشانی پر بھسم اور چندن لگایا گیا۔ چیرو تانے ایک صاف کپڑا نکال کر دیا۔ اب صرف دفنانے کی جگہ کا فیصلہ ہونا تھا۔

کورن لوٹ آیا۔ ناؤ میں ایک بڑا پتھر (سنگِ میل) تھا۔

باپ کی تیار رکھی لاش سے لپٹ کر کورن رو پڑا۔ باپ کو اتنے دنوں کے بعد دیکھ کر اس کا دل ابھی بھرا نہیں تھا کہ اتنے میں......

کورن نے لاش کو ایک چٹائی میں لپیٹ کر باندھا۔ سب نے اُسے ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ کورن نے اکیلے ہی اس گٹھر کو اٹھا کر ناؤ میں رکھا۔ وہاں جمع شدہ سب لوگ حیران رہ گئے۔ اس طرح لاش دفنانے کا طریقہ انھوں نے نہیں دیکھا تھا۔ جب اس نے لاش کو پتھر میں باندھا، تو کورن کا ارادہ لوگوں کی سمجھ میں آ گیا۔

کورن نے مدد کے لئے پیتروس کو بلایا۔ پیتروس نے دوسروں کی طرف دیکھا۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔ آخر پیتروس بھی نوکا میں چڑھ گیا۔ جب ناؤ ندی کے درمیان پہنچی تب کورن اور پیتروس دونوں نے مل کر اس بھاری گٹھر کو اُٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ گٹھر پانی میں ڈوب گیا۔ سطح پر تین چار بُلبُلے نمودار ہوئے اور مٹ گئے! بس!

چھ فٹ زمین تک نہ پا کر اس بوڑھے کی خدمت گذار زندگی کی کہانی کا یہ انجام ہوا۔

19

اسمبلی کا انتخاب قریب ہے۔ اس علاقے کا ایک بڑا کسان کانگریس کی طرف سے الیکشن کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ اس کے خلاف ایک آزاد امیدوار ہے طرفین میں خوب مقابلہ ہو رہا ہے۔

مقابلہ کہ ان دنوں میں کھیت مزدوروں کی ایک یونین کو رجسٹر کرایا گیا ہے۔ پریا اور پلیری اس کے ممبر بنے ہیں۔ غریب عیسائی، نائر اور ایشوا مزدوروں نے اس کے ممبر بننے سے انکار کر دیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ یونین پریا کی ہے۔ جو سینٹ کانگریس کے ممبر تھے۔ اُنھیں گرجا، کریوگم اور ایس، این، ڈی، پی، شری ناراین گورو دھرم پری پالن سنگھ سے حکم ہے کہ وہ کانگریس کو ووٹ دیں۔

اس چناؤ میں ہار یا جیت کا فیصلہ کرنے میں کھیت مزدور سنگھ کا زبردست ہاتھ ہے ایسا سب لوگ محسوس کرنے لگے ہیں۔ اس کے ممبروں کی تعداد کافی ہے۔ اس یونین نے ابھی اپنا فیصلہ ظاہر نہیں کیا ہے۔

آزاد امیدوار نے کھیت مزدور سنگھ کو ایک بھاری رقم دان میں

دینے کی بات کہی۔ سنگھ کی ایگزیکیٹو کی میٹنگ کورن کے گھر پر ہوئی۔ نریندر نے آزاد امیدوار کی بات انھیں سنائی۔

دس ہزار روپے۔ چونکا دینے والی رقم! پر پرا اور پلیٹر کی بھی اتنی پوچھ ہوسکتی ہے! نریندر نے سمجھایا کہ ان کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ ایک پرتن کی قیمت روپیہ، آنا، پائی میں نہیں آنکی جا سکتی۔ اس دن کی میٹنگ میں جس کسی نے حصّہ لیا، اسے اپنے اندر دگنی طاقت محسوس ہوئی۔

بہت دیر تک صلاح مشورہ کرنے کے بعد ایگزیکیٹو نے وہ دان لینے سے انکار کر دیا۔ میٹنگ ختم ہونے کے بعد لوٹتے وقت ہر ایک کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا فیصلہ کیسے ہو گیا۔ دس ہزار روپے! ایک ہزار نوٹ دس دس روپے کے! اپنی منظم طاقت پر سب کو فخر ہوا۔ غریبوں میں بھی دس ہزار روپیہ چھوڑ دینے کی توفیق ہے۔

"ایکا ہو جانے پر ایسا ہی ہوتا ہے" ایسا آپس میں لوگوں نے کہا لیکن چناؤ میں ان کا کیا رویّہ ہونا چاہیے؟ دس ہزار روپے چھوڑ دیئے، سو ٹھیک۔ لیکن ووٹ کسے دینا ہے! کسے دینے سے پرتر اور پلیٹر کا فائدہ ہوسکتا ہے؟

سٹیٹ کانگرس کی طرف سے ایک اعلان شائع کیا گیا کہ کانگرس کی اگر سرکار بن جائے تو وہ سب کے بھلے کا کام کرے گی اور غریبوں کی ضرورتوں کو پورا کرے گی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمرا، اور داس — دونوں کی بھلائی ایک ساتھ کیسے کی جا سکتی ہے؟"

یہ شک، شک ہی بنا رہا۔
چناؤ کا دن بڑی چہل پہل کا دن تھا۔ چناؤ کی جگہ پر ہجوم کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ ترنگے جھنڈے سے سجائی ہوئی کشتیاں اور سٹیمر، دریاؤں اور نالوں میں برابر آجا رہے تھے۔ آزاد امیدوار کے حامی خوب دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ لیکن یونین کے فیصلہ کے مطابق آزاد امیدوار کے مزارع پرزرنے بھی کانگرس امیدوار ہی کو ووٹ دیئے۔
کانگرس امیدوار کی جیت ہوئی۔ اس جیت کا جشن بھی دھوم دھام سے منایا گیا۔ یہ بھی سب کو معلوم ہو گیا کہ جو مہاشے جیتے وہ وزیر بن گئے۔
کٹناڈ کے کھیت مزدوروں کے ایک جلسہ میں زبندر نے کہا "اب دیکھنا ہے کہ یہ سرکار مزدوروں کے لئے کیا کرتی ہے۔"
سرکار کو یہ ایک چیلنج تھا۔
کٹناڈ کے کسان اور سرمایہ دار سب ڈر گئے۔ پرزرا اور پلیئر سب منظم ہو گئے ہیں۔ اس تنظیم کی طاقت لوگوں نے چناؤ کے موقع پر دیکھی تھی۔ اس تنظیم کے ذریعے پرزرا اور پلیئر بیدار ہو گئے ہیں، مضبوط ہو گئے ہیں۔
دو کسان جب آپس میں ملتے تو پرزرا اور پلیئر کے متعلق ہی باتیں کرتے۔ انہیں اپنی تعداد کا بل ہے۔ آگا پیچھا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ان میں محبت کا جذبہ مٹ گیا ہے۔ ان کی بول چال کا ڈھنگ ہی بدل گیا ہے۔ نئی سرکار ..... یہ کیا کرے گی؟
یہی سب کا سوال تھا۔
روزمرہ کی مزدوری میں پانچ کلین[1] دھان میں سے دو کلین دھان کی صورت

---

[1] ایک چھوٹا پیمانہ ہے۔ پانچ کلین دو سیر کے برابر ہوتا ہے۔

میں اور باقی تین کلیٔن کا سرکاری شرح کے مطابق پیسہ دینے کے اصول کا اطلاق کیا گیا۔ یہ کھیت مزدور سنگھ کی ایک بڑی جیت تھی۔

کورن یونین کی روحِ رواں تھا۔ اس سے چِردتا کو بھی ایک گونہ فخر محسوس ہوا۔ مزدوری کا ایک حصہ دھان کی شکل میں پانے کا طریقہ اُس کے خاوند نے نکالا تو! اُس کا بھی درجہ عورتوں میں بڑھ گیا۔

جب کبھی کورن جوش میں آکر پرئرا اور ملپئر سے کی گئی بے انصافیاں، اور زیادتیاں بیان کرتا تب چِردتا کا بھی خون کھولنے لگتا۔ جب کورن کہتا کہ یہ سب بے انصافیاں اب ختم ہونی چاہیئں، تب چِردتا محسوس کرتی کہ اُسے اِن بدمعاشیوں سے بھی آگاہ کر دیا جائے جن کا کورن کو اب تک علم نہیں ہے۔

پرئرا اور ملپئر کے بنا جانے کھلہان میں بوآئی کے ڈھیروں کے درمیان، بڑے بڑے کھیتوں کی گھنی ہریالی کے پیچھے، درمیان کے باندھ اور دوسری جگہوں پر ہونے والی بدمعاشیاں! اُن کے متعلق ان کی عورتیں ہی جانتی تھیں۔ اِن بدفعلیوں کا شکار بن کر کتنی عورتوں کی روحیں تڑپ تڑپ کر بے حس ہو جاتی ہیں، یہ کوئی نہیں جانتا۔ ان روحوں کی دردناک پکار دنیا کی ضمیر تک پہنچا سکے تو! لیکن ان دردناک واقعات کی کہانی خواہش ہونے کے باوجود چِردتا کورن کو سُنا نہیں سکی۔ کورن سے کہنا اُس کے لئے ناممکن معلوم ہوا۔

اگر پرئرا اور ملپئر کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں تو وہ آگ لگانے اور خون کرنے کا بھی کام کر بیٹھیں گے۔ چِردتا کو مریا کی بات یاد آئی۔ "یہ سب باتیں مردوں کو نہ معلوم ہونے دینا۔ اُن کی جان خطرے میں نہ پڑنے پائے۔"

ہاں، کٹناٹ کے پریرا اور بلپٹر کو جو روایت وراثت میں ملی ہے، عصمت ہی اس کی بنیاد ہے۔ اُن کی بیویوں کی عصمت خطرے میں ہے، یہ اگر وہ جان جائیں تو اُن کی غیر معمولی طاقت کیا نہ کر بیٹھے۔ نہیں، یہ باتیں نہیں کہنی چاہئیں .... لیکن ایک نوجوان بہنی ایک رنگین بلاؤز اور اچھا کپڑا پہننے کی اپنی ایک حقیر تمنا کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی عصمت کی حفاظت بھی کیوں کر کر سکتی ہے؟

چرونا کے دل میں زبردست تحریک پیدا ہوئی کہ وہ ایسی بدنصیب بہنوں سے ملے اور اُن سے جان پہچان بڑھائے۔ اُن کی دکھ بھری کہانی خود اُن کی زبانی وہ سن تو سکے۔ کئی مرتبہ چرونا کے دل میں آئی کہ عورتوں کی بھی کیوں نہ ایک سبھا قائم کی جائے؟

شوہر کے سب کام تعریف کے لائق تھے۔ لیکن چروتا ایک عورت تھی، بیوی تھی، اس کا خاوند ٹھیکیداروں کو اپنا دشمن بناتا جا رہا تھا۔ وہ سب کورن سے ناراض تھے۔ اکیلے جاتے وقت اگر وہ اُسے مار کر اس کی لاش ندی میں پھینک دیں تو وہ کیا کرے گی؟ کوئی کچھ پوچھے گا بھی؟

وہ کورن کو کہیں باہر اکیلا نہیں جانے دیتی تھی۔ شام کو لوٹنے میں دیر ہو جائے تو وہ گھبرا اُٹھتی۔ ایک دو مرتبہ اس کے متعلق اُس نے کورن سے کہا بھی تھا۔

۲۰

ایک دن چرونتا پشپ بیلی ہیں گئی۔ اس دن تمپوران نے اُسے اور کورن کو خوب ڈانٹا۔ اُنھوں نے کہا کہ کورن کو وہ ایک اچھا سبق سکھائیں گے۔ وہ ہی نہیں، سب اس کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اُنھوں نے آگے کہا: ۔"غریب پرتر اور پلیّر کو غلط راستہ دکھاکر...... وہ ...... اُسے ہوشیار رہنے کو کہہ دینا۔"

اس دن شام کو جب کورن آیا، تب چرونتا نے سب باتیں اُس سے کہہ دیں۔ کورن نے بے فکری سے سب سُن لیا اور ذرا مُسکرا کر بولا:۔ "تم ڈر گئی ہوگی؟"

بے چاری چرونتا نے کہا: ۔"مجھے ہمیشہ ڈر لگا رہتا ہے۔"

اس فقرے میں جس اضطراب کا اظہار ہوا تھا وہ کورن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اُسے چرونتا سے ایک اہم بات کہنی تھی۔ اُس نے چرونتا کی طرف غور سے دیکھا، جیسے وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا ہو کہ جو کچھ وہ کہنے والا ہے اُسے

چر دتا مانے گی یا نہیں۔ اُس نے کہا: "چر دتا، مجھے لوگ مار بھی ڈالیں تو پروا نہیں۔ مرتے دم تک میری یہی کوشش رہے گی کہ پر تر اور پلپٹر کو آگے کے لئے اس طرح کے ظلم نہ سہنے پڑیں۔"

کورن کے مضبوط ارادے کو چر دتا سمجھ گئی۔ اُس نے بھی اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ کورن کے فیصلہ کے نتیجے کے طور پر اُس کی زندگی کا جو پروگرام ہوگا اُس میں وہ بھی عملی حصہ لے گی۔

کورن کو اور بھی کہنا تھا، بہت کچھ کہنا تھا۔ اس نے پھر کہنا شروع کیا:۔ "مجھ سے ایک ہی مور کھتا کا کام ہوا ہے۔ وہی میرے راستے کا روڑا بنا ہوا ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"وہ...... وہ ہے......" چر دتا کے چہرے پر نظر گڑا کر اُس نے پوچھا:۔ "تم روؤ گی؟"

"میں روؤں گی نہیں۔ ایسے میں کبھی روتی ہوں؟"

"پھر بھی جب میں نے شادی کی تھی، تب تم نے یہ کبھی سوچا تھا کہ میں اس طرح کا ہو جاؤں گا؟"

"کس طرح کے ہو گئے ہو تم؟"

"سُنا، اس سنگھ میں شامل ہو کر سنگھ کے لئے کام کرنے میں کئی طرح کے خطرے ہیں۔ ممکن ہے جان بھی دینی پڑے۔ ایسا ہی پروگرام بن رہا ہے۔ ماں باپ اور رشتے داروں کو مخالف بنا کر ایک لڑکی سے شادی کی۔ یہ ایک غلطی تھی۔ اب یہ بیڑی زنجیر سی لگتی ہے۔"

چرونا کا جواب تیار تھا: "میں کسی بھی کام میں روکاوٹ نہیں بنوں گی. تم کہیں بھی جاؤ میں اپنے کو تمھارے لیے بوجھ نہیں بننے دوں گی۔"

"سو تو ٹھیک ہے. لیکن مجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے. کسی بھی لڑکی کو لاکر اُسے یوں دُکھ سہنے دینا کہاں تک ٹھیک ہے؟ شادی کے دن جب جھگڑا کھڑا ہوا، اس دن شادی روک کر مجھے لوٹ آنا چاہیے تھا. تب اور کوئی تم سے شادی کر لیتا. کام کر کے روز کی مزدوری تمھیں لا دیتا۔"

چرونا گھبرائی. کورن کے الفاظ میں کتنے وسیع معنی پوشیدہ ہیں، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا. پھر بھی وہ ڈر گئی. خاوند کہہ رہا ہے کہ اس سے شادی نہیں ہونی چاہیے تھی. یہ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی! اُس نے کہا: "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ روز کام کر کے دیتے ہی ہو! کیا میں کہتی ہوں کہ یہ کام نہیں ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے چرونا! اب روز کام کر کے لا دینا ناممکن ہو گیا ہے۔"

"جب ایسا ہو گا، تب فاقہ ہی سہی۔"

"نہیں ری، تم بدنصیب ہو. اِسی لیے میرے ساتھ ہو گئیں. اگر تمھاری شادی میرے ساتھ نہ ہوئی ہوتی تو تم سُکھی رہتیں. اور میں بھی اپنے راستے پر بے دھڑک آگے بڑھتا۔"

چرونا اس کی بات سمجھ گئی. وہ بولی: "میں اپنی عمر کی کسی بھی پری سے اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں. مجھے کوئی کمی نہیں ہے. پتی مجھے پیار کرتا ہے. جسم سے بھی میں تندرست ہوں۔"

ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کورن نے کہا :۔ "تم بڑی بھولی ہو چروتا! تم سمجھتی ہو کہ تمہارا اپتی ہمیشہ پنچا کھیت میں کام کر کے تمہاری دیکھ بھال کرتا رہے گا لیکن وہ تو جیل جانے کی بات سوچ رہا ہے۔"

چروتا کا جواب بھی تیار تھا :۔ "تو میں بھی وہی کروں گی !"

کورن کو یقین نہیں آیا ۔ چروتا نے مزید کہا :۔ "سبھا جلسے کرنا کیا تم مردوں ہی کا کام ہے ؟ ہم عورتیں بھی سبھا کریں گی ۔ ہمارے لیے بھی کام ہے۔"

کورن ہنس پڑا ۔ لیکن چروتا سنجیدہ اور متین لہجے میں کہہ رہی تھی : "تندرست جوان لڑکیوں کی بھی حفاظت ہونی چاہیے ۔ اس کے لیے میں بھی جیل جاؤں گی ۔"

"اری ، ایسی پاگل پن کی باتیں نہ کرو ! تمہارے لیے یہی اچھا ہوگا کہ کسی دوسرے کے ساتھ جاؤ !"

چروتا غم اور اضطراب سے تلملا اٹھی ۔ شوہر کہتا ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ جاؤ ! وہ رو پڑی ۔ کورن کو بھی محسوس ہوا کہ اسے چروتا سے یکایک ایسی باتیں نہیں کہنا چاہیے تھیں ۔ اس نے چروتا کو ڈھارس بندھانے کی کوشش کی ۔

چروتا نے سسک سسک کر روتے ہوئے کہا : "کہیں کسی اور لڑکی کو تو نہیں دیکھ رکھا ہے تم نے ؟"

"چھی ، کیسی پاگل پن کی باتیں کرتی ہو !"

"تو تم نے یہ کیوں کہا کہ مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی ؟ اور ۔

میں کسی اور کے ساتھ جاؤں؟ شاید تمھاری مجھے چھوڑ دینے کی صلاح ہو رہی ہے؟"

کورن نے یہ خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُسے اس قسم کے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ وہ چکرا یا۔ اُس نے قسم کھائی اور مقدس چیزوں کا نام لے کر اپنی سچائی کا ثبوت بہم پہنچایا۔

چروتا نے پوچھا:۔"تب تم نے ابھی جو باتیں کہی تھیں، کیا وہ دکھاوے کے لئے ہی کہی تھیں؟"

ایک نیا مسئلہ! 'ہاں' یا 'نہ' ایک لفظ میں جواب دینا ممکن نہیں تھا۔ اس نے جو کہا تھا وہ سب دکھاوے کے لئے نہیں کہا تھا اس لئے 'ہاں' نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور اگر "نہیں" کہتا تو چروتا کا دل ٹوٹ جاتا!۔

اُس نے گفتگو کا رُخ بدل دیا:۔"میں تمھاری حفاظت نہیں کر سکوں گا، یہی سوچ کر میں نے کہا تھا۔ میری چروتا، تم کتنی پریشان ہو گئی ہو!"

اس دن دلگیر چروتا کو کورن رات بھر اپنی یونین کے پروگرام کے متعلق تفصیل سے سمجھاتا رہا:"اب آگے کا وقت بڑا بھیانک معلوم ہوتا ہے۔ لڑائی ہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کنٹراٹ کے کسان لوگ ہی نہیں، بلکہ حکمراں لوگ بھی سنگھ اور اُس کے کارکنوں کے خلاف قدم اُٹھائیں گے۔"

"ہم سے ووٹ مانگتے وقت اُنھوں نے کہا تھا کہ ہمیں گذارے لائق مزدوری دلائیں گے۔ وہ سب بے کار ثابت ہوا۔ وزیر لوگ اِن سرمایہ داروں کے اپنے ہی آدمی ہیں۔ ہمیں جو حاصل کرنا ہے، وہ جدوجہد ہی سے حاصل کرنا پڑے گا۔ ایسا کرنے کے لئے ہمیں جیل جانے یا مرمٹنے، سب کے لئے تیار رہنا ہوگا۔"

کیسا تاریک مستقبل ہے! چِروتا کے دل کا سکون ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔

۲۱

کٹناٹ کے کھیت مزدوروں کے ابتدائی معمولی مطالبات یونین کے ذریعے پیش کئے گئے۔ یہ مطالبے صرف کسانوں ہی کے سامنے نہیں، بلکہ سرکار کے سامنے بھی رکھے گئے، جن میں ان کے وہ نمائندے بھی شامل تھے جنہوں نے الیکشن کے وقت کھیت مزدوروں کی دقتیں دور کرانے کا اعلان کیا تھا۔ یونین کے مطالبے مزدوروں کے حقوق ہی کی نمائندگی نہیں کرتے تھے بلکہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، اس سے بھی متنبہ کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پرتمر اور پلیسر منظم ہو کر مضبوط ہو گئے ہیں۔ اُن کی آواز میں طاقت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ مزدوری میں دیئے جانے والا دھان اُن کے سامنے ناپا جانا چاہیئے اور وہ بھی پورا بھر کر[1]۔۔۔۔ ان کے طور طریقے میں نمایاں فرق دکھائی دینے لگا۔

---

[1] یعنی ناپ کے برتن کو پورا بھر دینے کے بعد اس کے اوپر جو ڈھیر بن جاتا ہے اُس کے ساتھ۔

جو پرترا اور پلیئر مزدوری زیادہ مانگتے ہیں وہ ایک حساب کے مطابق ہی مانگتے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک اصول ہے۔ ایسا اصول جس کا جواب کسان کے پاس نہیں ہے۔ وہ دلیل سے کام لیتے ہیں۔ اُن کے بھی منہ زبان ہے۔

کل تک ایک بے زبان جانور کی طرح آپ کی ڈانٹ پھٹکار چپ چاپ سہہ لینے والے اور جو آپ دیتے تھے اُسے لے کر چپ چاپ چلے جانے والے وہ پلیئر اور پرترا اتنے کیسے بدل گئے؟ کس نے اُنھیں سکھایا؟ یہ تعجب کی بات تھی۔

یہ سب اچانک ہی ہوا۔ ہاتھی کو اپنی طاقت کا علم ہو گیا۔ اس نے اپنی اہمیت کو سمجھ لیا اور اب وہ بولنے لگا ہے۔ اس کے بولنے کے لئے ایک موضوع اور ایک انداز بھی مل گیا۔ صدیوں کا تجربہ اُن کے پاس ہے۔ اس کے لئے ایک منطق شاستر آپ ہی نہیں بن جائے گا۔

پیداوار کا ایک حصہ اُنھیں ملنا چاہیئے۔ یہ حصہ کیا ہو سکتا ہے' اس کا بھی حساب تھا۔ تمبوران کا جو منافع ہے دراصل وہ مزدوروں کی مزدوری ہے اور جنمی (زمیندار) کو لگان کی رقم۔ اس کے بارے میں بھی اُن کا اپنا اصول ہے۔

ان کے مطالبے بہت بڑھے چڑھے' ناقابلِ قبول اور بعید انصاف ہیں۔ زمینداروں کی طرف سے ایسا پرچار شروع ہوا' لیکن وہ ڈر گئے۔ پرترا اور پلیئر کی بات میں کچھ سچائی تو نہیں ہے؟ ایسے شک میں وہ پڑ گئے۔

مزدوروں کے بڑھتے ہوئے مسئلے کے جھنجھٹ کو بالکل ہی ختم کر دینا' ان لوگوں کو ضروری معلوم ہونے لگا۔ کسانوں نے یہ بھی سوچا کہ کھیتی کے کام سے پرترا اور پلیئر کو بالکل نکال ہی کیوں نہ دیا جائے۔ غریب نائر' عیسائی'

اور انیشوا وغیرہ لوگوں کو کام میں لگا کر انھیں سکھایا جائے تو کیسا ہوگا؟ ایک دو نے ایسا کر کے دیکھا بھی لیکن نہیں، وہاں بھی یونین نے دخل دیا۔ اس کی مخالفت کی اور اب دھمکی دے دی ہے کہ اگر ایسا کریں گے تو .....

جب پرتن اور پلیئن نے مزدوری بڑھانے کا مطالبہ پیش کیا تب غریب نائر اور عیسائی مزدوروں نے بھی سمجھا کہ وہ کیوں نہ مزدوری بڑھانے کا مطالبہ پیش کریں۔ وہ بھی مطالبہ پیش کرنے لگے۔

ازل سے چلنے آنے والے سماجی نظام کے جڑ سے اکھڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اب تک "مقدس" مانے جانے والے کئی موضوع پر سوال پوچھے جانے لگے۔ مزدوروں کو مناسب حق نہ دینا اور ذاتی جائداد کا حق پاپ ہے۔ ایسا سمجھا جانے لگا۔

پرتن، پلیئن اور نائر سب ایک ہونے لگے۔ خدا کا اعتقاد بھی ٹوٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ مزدور کی تنظیم اور جلوس سارے علاقہ میں کام کرنے لگے۔ سب جگہ سرمایہ داروں کے دل دہلا دینے والے نعرے گونجنے لگے۔ آگ کا دہکنا ناگزیر معلوم ہونے لگا۔

بعض جگہوں پر کام بند ہو گیا۔ بعض جگہوں پر مطلوبہ مزدوری نہ ملنے کے باعث مزدور کام پر نہیں گئے۔ وہ تمپورانوں کے مکانوں کے سامنے جمع ہو کر نعرے لگانے لگے۔

اِن سب باتوں کو روکنا ناگزیر معلوم ہوا۔ سرکار نے انتباہ کی شکل میں اعلان کیا کہ مزدوروں کو منظم ہونے اور منظم ڈھنگ سے اپنی تکلیفیں

دور کرنے کے طریقے اپنانے کا حق تو حاصل ہے، لیکن کٹناٹ کے مزدور اگر حد سے تجاوز کر کے امن کو خطرہ میں ڈالیں گے؛ اور اناج کی قلت کے اس سنکٹ کے زمانے میں تخریبی کارروائیوں کے ذریعے ملک کو مصیبت میں ڈالیں گے تو سرکار آنکھیں موند کر نہیں بیٹھی رہ سکتی۔

کورن فرار ہو گیا۔ گھر میں چروتنا انتظار میں مضطرب اور بے چین رہنے لگی۔ کئی مرتبہ پولیس اس کی تلاش میں وہاں پہنچی۔ اس علاقہ کے نیتا ؤں کی یہ رائے تھی کہ اگر اس کو پکڑ کر سیدھا کر دیا جائے تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ان کی رائے میں کورن ہی ان سارے جھگڑوں کی جڑ تھا۔

کبھی رات کے وقت وہ گھر آتا۔ آکر چلے جانے پر پھر اس کے لوٹنے تک چروتنا کو قرار نصیب نہ ہوتا۔ اگر اُسے گرفتار کر لیا جائے تو کیا ہو گا؟ اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اتنا ہی نہیں۔ تمپوران گھر خالی کر دینے کے لئے بھی زور دینے لگے۔ اگر اُس نے گھر خالی نہیں کیا تو زبردستی نکال دی جائے گی، ایسی دھمکی بھی دی گئی۔ اگر سچ مچ وہ نکال دیں تو وہ کہاں جائے گی؟ لوٹ کر ماں کے پاس؟ تب تو کسی دوسرے سے شادی کرنی پڑے گی۔ باپ دوسری شادی کرائے بنا مانے گا نہیں ...... نہیں، نہیں اس جنم میں یہ نہیں ہو سکتا۔

ایک رات کورن ندی میں تیر کر گھر آیا، اور چروتنا کو آواز دی۔ وہ جاگ رہی تھی۔

"کون؟" چروتنا نے پوچھا۔

"میں ہوں"

کچھ دیر تک چرونتا یہ طے نہیں کر سکی کہ کورن ہی کھٹکھٹا رہا ہے۔

"ارے، میں ہی ہوں"

جب چرونتا کو یقین ہو گیا تب اس نے فوراً اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

وہ پورے ایک ہفتہ کے بعد لوٹا تھا۔ اس نے دیکھا کہ چرونتا ایک ہی ہفتہ میں بہت دُبلی ہو گئی ہے۔ اُس نے پوچھا۔ "ارے، تو کچھ کھاتی پیتی کیوں نہیں؟"

"کھاتی تو ہوں" چرونتا نے جواب دیا۔

"پھر ایسی کیوں لگ رہی ہے؟ جسم چھونے سے ہڈی ہی ہڈی معلوم ہوتی ہے"

چرونتا ذرا مسکرائی۔ تاروں کی اس مدھم روشنی میں بھی کورن نے اُس کی وہ مسکراہٹ دیکھ لی، اس مسکراہٹ میں ایک نئی مسرت کا راز پوشیدہ تھا لیکن کورن اُسے نہ سمجھ سکا۔

"تم کیوں ہنستی ہو؟"

"واہ! میں ہنس بھی نہیں سکتی!"

"جب کہتا ہوں کہ تم کمزور ہو گئی ہو تب تم ہنستی ہو؟"

شرماتے ہوئے چرونتا نے کہا۔ "مجھے آج کل کھانا پینا اچھا نہیں لگتا"۔

"کیوں بیمار ہو گیا؟"

چرونتا پھر ہنس پڑی۔

"ہاں، یہ ایک طرح کی بیماری ہی ہے، جو دسواں مہینہ ختم ہونے پر باہر دکھائی دے گی"

کورن کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ وہ محبت سے چرونتا کو بار بار چومنے اور اُس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ابھی پیٹ بڑھا نہیں ہے۔" چرونتا نے کہا۔

"پھر بھی تھوڑا تو بڑا ہو گیا معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن بچے کو آخر کہاں جنم دوں گی؟"

"کیوں؟"

دونوں کے سامنے ایک گمبھیر مسئلہ تھا' چرونتا نے کہا: "تمبوران نے کہا ہے کہ گھر چھوڑ دو' نہیں تو زبردستی نکال دوں گا۔"

"اگر نکال بھی دیں تو پھر بھی یہیں آکر رہنا۔"

"تب مار ہی ڈالیں گے۔"

"مارنے دو!"

کیسا استقلال ہے یہ! کہتا ہے کہ نکالے جانے پر پھر یہیں آنا' مارتے ہیں تو مارنے دو! گویا سوچا سمجھا طرزِ عمل ہے! اس نے آگے صاف صاف بتایا: "وہ مار ڈالیں گے تو اس کا نتیجہ اچھا ہی ہوگا۔"

"پریا اور پلیا قوم کا اس سے فائدہ ہی ہوگا۔"

"اس سے تم کو دُکھ نہیں ہوگا؟"

"اری' وہ دوسری بات ہے۔ جانے دو اسے مجھے اب جلدی جانا ہے۔ ممکن ہے مجھے پکڑنے کے لئے میرے پیچھے پیچھے آدمی یہاں پہنچ

جائیں۔"

چرودتا کی ہانڈی کبھی خالی نہیں رہتی تھی۔ اس دن بھی اس نے کنجی اور بھاجی رکھی تھی۔ چرودتا نے کورن کے سامنے پروس کر رکھ دیا۔ کورن نے کھانا کھایا۔ تین چار دن کے خرچ کے لئے چرودتا کے ہاتھ میں کچھ پیسے دے کر وہ نکل گیا۔

۳۲

کورن کے چلے جانے کے بعد چرونا کو یاد آیا کہ اسے کورن سے کئی باتیں پوچھنی تھیں۔ پھر نہ جانے وہ کب آئے گا؟ آسکے گا یا نہیں۔ زبردستی گھر سے نکالنے پر پھر آ کر رہنا، ماریں تو مار کھا کر بھی مست جانا! اس طریقہ کار کے متعلق وہ بار بار سوچنے لگی۔

چوتھے دن کورن پھر رات کو آیا۔ وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ وہ دو ڈھائی گھنٹے پانی میں تیر کر آیا تھا۔ دروازہ بند کر کے چولہے میں آگ جلا کر وہ تاپنے لگا۔

چرونا نے پوچھا: "اس طرح کتنے دن بیتاؤ گے؟"

"جتنے بھی ہوں۔"

"پکڑے جاؤ گے تب؟"

"جیل میں پڑا رہوں گا۔"

کورن نے اپنا عہد پھر دہرایا۔ وہ اپنی زندگی مزدوروں کی

بھلائی کے لئے وقف کر چکا ہے۔ وہ آئندہ کھیت میں کام کرکے اس کی پرورش کرے گا، ایسی اُمید رکھنا بے کار ہے۔ چردتا نے بھی اپنا فیصلہ دوہرایا کہ وہ ہر حالت میں اس کے ساتھ رہے گی۔

کورن نے کہا: "اس دن میں نے تم سے سچ کہا تھا کہ تم میرے راستے میں ایک رکاوٹ ہی ہو۔ ایک لڑکی سے شادی کر کے اُسے تکلیف میں رکھتا ہوں، یہ خیال مجھے پریشان کر دیتا ہے...... بے فکر ہو کر آرام سے گھر میں رہنا میرے نصیب میں نہیں ہے۔"

کورن نے اپنے دل کی بات ظاہر کی۔ اس کا گلا نہیں رُندھا۔ نہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ پھر بھی چردتا جانتی تھی کہ وہ اندر ہی اندر ایک گہری ٹیس محسوس کر رہا ہے۔

اس نے کہا: "میں نے کہا ہے نہ کہ میں کسی طرح رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ مجھے تمہارے کام سے خوشی ہی ہے۔ تم کہیں بھی جاؤ اور کچھ بھی کرو، میری نیک تمنّائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔ میں بھوکی رہنے کے لئے تیار ہوں۔ بچہ ہوگا تو میں اُسے بھی پالوں گی۔ دُکھ کی کیا بات ہے؟"

کورن کے کندھے پر اس نے اپنا سر رکھ دیا اور اس کی چوڑی چکلی چھاتی کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ کورن نے چردتا کو محبت کے ساتھ سینے سے لگا لیا۔

"چردتا!"

"اوں!"

"میں ایک بات کہوں تو تمہیں برا تو نہیں لگے گا؟"

"نہیں"

"سنو، کچھ سال پہلے دیلار[1] میں جیسے مزدوروں کو گولی سے اڑا دیا گیا تھا، ویسے ہی ممکن ہے اب پر تر لیشر بھی اڑا دیئے جائیں۔ بات ایسی ہی ہے۔ مجھے پکڑ کر جیل میں بھی بند کیا جا سکتا ہے......"

کورن آگے نہ کہہ سکا۔ اس کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ گھبرا گیا۔

"اس لئے؟"

"اگر تمہیں کسی کے ہاتھ میں سونپ جاؤں تو بے فکر ہو کر اپنے کام میں لگ سکتا ہوں۔"

---

[1] دیلار کا واقعہ ترونتاکور کی تاریخ میں ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والا واقعہ ہے جبکہ سرکار کی طرف سے دو ہزار نہتے لوگوں کے ہجوم پر گولی چلائی گئی تھی۔ یہ واقعہ چیتیلا علاقے کے دیلار گاؤں میں ۱۹۴۶ء کے اکتوبر کے مہینے میں مقامی سمت ۱۱۲۲ تلا مہینے کی ۱۰ تاریخ کو ہوا۔ لوگوں کے لگائے ہوئے ناریل کے پیڑوں سے جب آمدنی ہونے لگی تب زمین کے مالک زمیندار انہیں نکالنے لگے۔ مزدوروں نے منظم ہو کر مخالفت کی۔ سٹیٹ کانگرس اس وقت کے دیوان کی سرکار سے لڑ رہی تھی۔ کانگرس بائیں بازو کے لوگوں نے مزدوروں کی مدد کی۔ سرمایہ دار ڈر گئے۔ سرکار نے فوجی حکومت قائم کر کے ان کی مدد کی۔ اس جدوجہد میں سرکاری رپورٹ کے مطابق ۸۰۰ آدمی مرے تھے۔

"کیا کہا؟"

کورن نے پرسکون لہجے میں مزید کہا: "یہ سب باتیں سوچ سمجھ کر جو مناسب ہو کرنا چاہیئے۔ عورتیں کن کے لئے ہیں؟ عورتیں گھر بسا کر رہنے والوں کے لئے ہیں۔ میری بات......"

چردتا چپ بیٹھی کورن کی طرف تاکتی رہی۔ ایک مشین کی طرح جذبات سے عاری کورن نے بات جاری رکھی: "وہ چاتن، ہمارا چاتن! وہ اچھا آدمی ہے۔ تم سے شادی کرنے کے لئے تپسیا کرتا رہا۔ ابھی تک اس نے کہیں شادی نہیں کی۔ کہتا ہے، اس جنم میں وہ شادی ہی نہیں کرے گا۔"

"اس لئے؟"

یہ سوال سن کر کورن چونکا۔ چردتا نے ایک بار کورن کو سر سے پاؤں تک کڑی نظر سے دیکھا۔ کورن نے محسوس کیا کہ جیسے اس نے بڑا بھاری گناہ کیا ہے۔ چردتا نے مضبوط لہجے میں کہا، "میرا کچھ اپنا بھی فیصلہ ہے۔"

ایک لمحہ کے لئے کورن خاموش کھڑا رہا۔ چردتا کو بہت کچھ کہنا تھا۔ لیکن اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکلے۔

"تم سوچ کر دیکھو، سوچ کر دیکھو!"

گویا چردتا کے سامنے کھڑے رہنا، اس سے آنکھیں ملانا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ وہ وہاں سے نکل کر پانی میں داخل ہوا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ایک لمحہ کے بعد چردتا کو ہوش آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا خاوند اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ "سوچ کر دیکھو"...... اس کے یہ الفاظ

کھیتوں سے آنے والی ہوائیں گونجنے لگے۔

اوہ، وہ سانولا تندرست جسم پھر دیکھنے کو نہیں ملے گا؟ کیا وہ اکیلی رہ گئی؟ اس کا دل ایک مرتبہ زور زور سے رونے کے لئے بے قرار ہوا تھا......
سامنے دور دور تک پھیلے ہوئے وسیع پانی میں اس کا سر کہیں اوپر دکھائی دیتا ہے یا نہیں، پر وہ دھیان سے دیکھنے لگی...... نہیں......

اس طرح بھی جب وہ جاتا تھا ایک بوسہ اس کا حق تھا۔ اندھیرے میں ایک مٹھی بھات وہ پاس بیٹھ کر پروس کر کھلا دیتی تھی اور وہ کھا کر ہی لوٹتا تھا کچھ باتیں بھی بتلا جاتا تھا۔ اس دن کیا کیا کہا؟

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ پھر کبھی نہ آئے؟ وہ ٹھیکیدار کے مزدوروں کی طرح کوئی کاشتکار تھوڑی ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا ہی تھا کہ انتظار مت کرنا۔ کیا وہ آخری وداع لے رہا تھا۔

چندرا کو اپنے بیاہ کا دن یاد آیا۔ برادری اور رشتے داروں کے خلاف ہو جانے کے باوجود اس نے بیاہ کیا تھا۔ بغیر بیاہ کرائے گھر میں رو لینے کی جو شرط رکھی تھی، اسے بھی اس نے پورا کیا۔ کیسا جوش تھا اس کا۔ وہ اپنی ایک ایک سانس اور دل کی ایک ایک دھڑکن سے اسے پیار کرتا تھا۔ اس کی ایک ہی تمنا تھی کہ میں بھر پیٹ کھانا کھاؤں، صاف ستھرا کپڑا پہنوں اور ہنسی خوشی سے رہوں۔ اسی کے لئے وہ زندہ تھا۔ گذرے ہوئے دنوں کی ایک ایک بات اسے یاد آنے لگی۔ ایک ایک بات کرن کی محبت سے لبریز تھی۔

وہ سوچ کر دیکھو، کہہ کر وہ اس وسیع پانی میں غائب ہو گیا، یہ کیسی تبدیلی

ہے؟ محبت کیا اس قدر کمزور ہے؟
پشپ بیلی چاکو کا گھورنا۔ مریا کے الفاظ کہ وہ اپنے آپ کو کیسے بچائے گی.
کسی طرح دس مہینے کٹ جائیں۔ اُسے ایک بچہ ہو جائے۔ بچہ ہو جانے کے
بعد پھر کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔ ایسا ہی نہ کہا تھا۔ یہ دس مہینے کے دن کیسے
گذریں گے؟ جیسے بھی ہو، اُسے اپنے سرمایہ عصمت کی حفاظت کرنی ہی چاہیئے۔
اس کے خاوند میں اتنی تبدیلی! یہ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی محبت
کا چشمہ سوکھ گیا ہے۔ نہیں، یہ ناممکن ہے۔ وہ بھی اب جبکہ وہ ماں بننے والی ہے!
وہ بچہ جب پیدا ہو کر بڑا ہوگا، اور اپنے باپ کے متعلق دریافت کرے گا تب
وہ اُسے کیا جواب دے گی؟ کیا اس وسیع پانی کو دکھا کر وہ کہہ سکے گی کہ وہ
اس میں ڈوب کر لاپتہ ہو گیا؟
چروتا کانپ اٹھی۔ ہاں، اس کا خاوند اُسے چھوڑ کر ہی چلا گیا۔ وہ کہہ رہا
تھا کہ اُسے بیاہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اُسے دوسرے کا سہارا ڈھونڈنے کو
کہا گیا ہے۔

روتے روتے چروتا کی آنکھ لگ گئی۔ کوئی پکار رہا ہے ایسا اُسے
محسوس ہوا۔ کیا دیکھتی ہے کہ اس کے سامنے چاتن کا مجسمہ ہے۔ وہ نوجوان
اس کے باپ کے پاؤں پکڑ کر التماس کر رہا ہے کہ وہ اُسے مایوس نہ کریں۔
.... اس کے بیاہ کے دن کورن کے عزیز اور رشتے دار سب
روٹھ کر چلے گئے۔ تب کورن کو تسلی دینے کے لئے اکیلا وہی رہ گیا تھا۔
اس کے بعد بھی جب کوئی مصیبت آئی، تب چاتن ہی مدد کے لئے تیار

رہا تھا۔ چترونتا کو محسوس ہوا کہ چاتن سامنے کھڑا ہے۔ ناکام زندگی کی زندہ تصویر۔

اس یاد کو فراموش کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن جتنی ہی اس نے کوشش کی اتنی ہی وہ صاف اور واضح ہوتی گئی۔

کتنا نیک! کیسی اچھی طبیعت!! چاتن سے ایک بھی غلطی نہیں ہوئی ہے۔

۲۳

پشپ بیلی چاکو کو کورن نے اپنی جھونپڑی میں جان سے مار ڈالا۔
یک دن آدھی رات کو جب کورن گھر آیا تب چاکو کسی ساتھی کی مدد سے
روتا کی عصمت دری کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چردتا کے منہ میں کپڑا
ٹھونسا ہوا تھا اور وہ بے ہوش پڑی تھی۔

کورن وہاں سے بچ نکلا۔ کچھ ہی دنوں بعد گرفتار کر لیا گیا۔

چردتا پتردس کے گھر میں بھیج دی گئی۔ کئی روز تک وہ بے ہوش
پڑی رہی۔ جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے چاتن کو اپنے پاس دیکھا،
ور ایک امکانی خوف کے باعث جھٹ آنکھیں بند کر لیں۔

لیکن وہ آنکھیں بند کر کے کب تک رہ سکتی تھی؟ چاتن کی موجودگی
اُسے تسلیم کرنی پڑی۔ اس کے ہاتھ سے دوا پینے کے لئے اس نے منہ کھولا۔
اس سے باتیں بھی کیں۔ یوں چاتن کی ہستی سے وہ مانوس ہو گئی۔

چردتا کا بخار اُتر گیا۔ وہ اچھی ہو گئی۔ جب دن وہ بستر علالت سے اُٹھی

اس دن چاتن کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس کی تیمارداری سے چرونتا تندرست ہو گئی۔ چاتن کی خوشی میں چرونتا کو زندگی کی ایک نئی حقیقت کا احساس ہوا۔

چرونتا نے پوچھا: "آج اتنے خوش کیوں نظر آرہے چاتن؟"

چاتن نے جواب دیا: "تمھاری بیماری خطرناک ہو گئی تھی۔"

چرونتا نے سمجھ لیا کہ چاتن کب سے اس کی تیمارداری کر رہا ہے۔

وریا نے کہا: "اگر کورن رہتا تو وہ بھی اتنی ہوشیاری سے تمھاری تیمارداری نہ کرتا۔ چاتن نے کتنے دل سے سیوا کی ہے۔ کتنا بھلا آدمی ہے یہ!"

چاتن نے چرونتا سے کہا: "کورن ہی نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ انھوں نے مجھ سے سب باتیں کہی ہیں۔"

چرونتا بڑے غصے میں آگئی اور کھسیا کر بولی: "اگر میں تیار نہ ہوؤں تو؟"

چاتن کا چہرا اتر گیا۔ وہ معذرت کے لہجے میں بولا: "جھگڑو مت پرونتا۔ تمھاری مرضی کے خلاف تمھیں بیوی بنانے کی بات میں نے نہیں کہی ہے۔ اس نے تمھاری حفاظت کا کام ہی مجھے سونپا ہے۔ جب تمھارے بچہ ہو جائے تب اسے پالنے پوسنے کو کہا ہے۔ میری اس جنم میں کوئی بیوی نہیں ہے۔"

چاتن کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ چرونتا کا دل بھی ہمدردی سے بھر گیا۔

ایک دن چیروتا نے نمناک آنکھوں سے چاتن سے کہا: "تمھارے احسان بدلہ چکانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

چیروتا سے یہ بات چھپی نہیں رہی کہ چاتن اس کے لئے جیتا ہے، اور کی ہر خواہش کو سمجھ کر اُس کے مطابق اپنا رویّہ بناتا ہے۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" چاتن کا یہی جواب تھا۔

لیکن چیروتا ڈرنے لگی کہ اُس کے احسانوں کے بارے میں اگر ابھی نہ کہے تو اُن کے بوجھ سے وہ ایک دن خود پھسل جائے گی۔ وہ بولی: میرے بھائی نہیں تھا، اب ایک بھائی ہو گیا۔"

چاتن نے کچھ نہیں کہا۔ چیروتا نے پوچھا: "بولتے کیوں نہیں ہو؟"

"میں کیا کہوں؟"

"تب، میرے بھائی ہو کر میرے بچّے کے ماما بنو گے اور اس طرح مرتے تک گذارا کریں گے؟ کیوں؟"

چاتن نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

کچھ دن اور گذرے۔ چاتن کی خدمت اور مدد وہ سب دیکھتی اور وس کرتی رہی۔ اس کے دل میں ایک ڈر سما گیا کہیں وہ چاتن کی خدمت ر ایثار سے مرعوب ہو کر اپنے تئیں اس کے سپرد تو نہیں کر دے گی؟ اگر تن ذرا بھی شوخی کا اظہار کرتا، منہ سے کوئی نامناسب لفظ نکالتا، تو کافی ہوتا...... چیروتا اُسے فوراً گھر سے نکال دیتی۔

ایک دن چیروتا نے کہا: "سب قسمت کا پھل ہے۔ باپو نے جتنا مانگا

اتنا دے دیا ہوتا تو .... ” چانن نے پرونا کی طرف غور سے دیکھا۔
ان جانے ہی اس کا چہرہ ایک امید سے کھل اٹھا۔

چانو کے قتل سے کٹناٹ کے کسان آفا ڈر سے گھبرا گئے۔ اسے پرنر اور پلیٹر کے بڑھتے ہوئے مظالم کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ پرنر اور پلیٹر کو مالک لوگ جہاں پاتے پیٹنے لگتے۔ یونین ایک ایک واقعہ کو درج کرتی رہی۔
یونین نے ایک رضاکار جماعت قائم کی۔ چھوٹے الزاموں کا مقابلہ کرنے کے لئے دفاعی محکمہ کھولا۔ اس کے ذریعے کورن کے مقدمے کی پیروی ہونے لگی۔ اس آدھی رات کے واقعہ کو ثابت کرنا ضروری تھا۔
جب چانن نے ایک گھر الگ بنا کر رہنے کی بات اٹھائی تب پرونا نے اس کی مخالفت کی۔ کیوں، الگ کیوں رہیں گے؟ الگ گھر بنا کر کس کے انتظار میں تمھیں رہنا ہے؟ .... لیکن بچہ جننے کے لئے ایک الگ جگہ تو چاہیئے۔ اس کے بچے کا پالن پوسن بھی کرنا ہے۔ پھر کورن بھی لوٹے گا ہی۔
پرنر اور پلیٹر لڑکیوں کی حفاظت کے لئے کچھ کرنا ہے۔ آدھی رات کے وقت گھر توڑ کر اندر گھس کر اور کھیت میں کھلیان کے پوآل کے ڈھیروں کے پیچھے کی جانے والی وحشیانہ بد چلنیوں سے انھیں بچانا ہے۔ مریا کی کہانیوں میں تو اس کا نام آ ہی گیا۔ اس طرح ستائی گئی عورتیں کس حالت میں ہوں گی؟ یہ سوال کئی مرتبہ پہلے بھی پرونا کے دل میں اٹھا تھا۔ اب آئینے میں اس نے

اپنا ہی عکس دیکھ لیا۔ ان بے کسوں کے لئے اگر وہ کچھ نہیں کرے گی تو اور کون کرے گا؟ گھر گھر میں جا کر جو کام خاوند نہیں کر پایا اگر وہ کر سکے تو کورن کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

چِروتا نے چاتن کو اپنا ارادہ بتایا۔ چاتن میں مخالفت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ لیکن اس نے کہا کہ کورن کی یہ مرضی نہیں تھی۔

چاتن کی کوشش سے رشوت وغیرہ دے کر چِروتا ایک بار کورن سے مل سکی۔ جیل کی لوہے کی سلاخوں کے دوسری طرف کورن اور اس طرف چِروتا.....

اس طرح دونوں کی ملاقات ہوئی۔ وہ نظارہ چِروتا کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ کورن زرد پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے بڑھتے ہوئے پیٹ کی طرف کورن کو تاکتے دیکھ کر کہا:۔ "بدنصیب بچّہ!"

چِروتا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بولی:۔ "باپو کے بارے میں پوچھے گا تو کیا کہوں گی؟"

"کہہ دینا، جیل میں ہے۔"

"کیا اب کسی دن بھی نہیں آسکو گے؟"

"پندرہ سال کی سزا ہے۔"

"پندرہ سال!"

کورن نے کہا:۔ "میری پیاری چِروتا، تم میرے انتظار میں مت رہنا! بچے کو پالنا! چاتن اچھا آدمی ہے۔ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اُس سے میں نے سب کچھ کہہ دیا ہے۔"

"مجھے کسی کی حفاظت یا مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے کس عورتوں کی مدد کے لیے سنگھ میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔"

کورن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کہا: "تو اس کام میں پڑنے کی تو بچے کو کون دیکھے گا؟ تجھے بھی جیل جانا پڑے گا تو بچے کا کیا ہوگا؟"

دور ایک پیڑ کے نیچے بیٹھا چاتن زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جب سر اٹھا کر اس نے اوپر دیکھا تو کورن نے اسے پاس بلایا۔

کورن کو محسوس ہوا کہ اسے ایک کام کرنا باقی ہے۔ لوہے کی سلاخ کے بیچ سے اس نے چردنا کا ہاتھ پکڑ کر چاتن کے ہاتھ میں سونپ دیا۔ جیسے باپ بیٹی کا ہاتھ خاوند کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہے، ویسے ہی کورن نے کیا۔ کبھی کہیں بھی نہیں ہوا تھا اس قسم کا بیاہ!

لوٹ کر جاتے وقت چردنا نے چاتن سے کہا: "میں اب بھی دوسرے کی عورت نہیں بن سکتی۔"

چاتن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"مجھے اپنی بہن سمجھنا کافی ہے۔"

وہ ایک ترحم خیز التجا تھی۔ چاتن نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

چردنا نے مزید کہا: "کسی پرش کو اپنی عورت کسی دوسرے کو اس طرح دینے کا کیا حق ہے؟"

چاتن نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۲۴

چیر دنا چاتن کی بنائی ہوئی جھونپڑی میں رہنے لگی۔ زچگی کا وقت نزدیک آ رہا تھا۔ وہ کام پر نہیں جاتی تھی۔ چاتن ہی کام پر جاتا تھا۔ مزدوری جو کچھ ملتی وہ لا کر چیر دنا کو دے دیتا۔

وہ گھر ایسا تھا گویا بھائی بہن کے رہنے کے لئے ہو۔ سویرے ایک محبت کرنے والی بہن کی طرح چیر دنا چاتن کے سامنے باسی کنجی اور بھاجی پروس کر رکھ دیتی۔ شام کو چاتن کتنا بھی کھاتے، چیر دنا کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ پاس بیٹھ کر وہ اُسے کھلاتی۔ کھانا ختم ہو جانے پر باہر چھپر میں اُس کے لئے چٹائی رکھ دیتی اور پان بھی رکھ دیتی۔ باہر جا کر جب وہ پان کھانا شروع کرتا تب اُس جھونپڑی کا دروازہ بھی اندر سے بند ہو جاتا تھا۔

چاتن کو باہر پڑے نیند نہ آتی۔ اندر چیر دنا بھی نہ سوتی۔ دونوں کے سوچنے کے لئے بے شمار باتیں تھیں۔ چاتن کی زندگی میں ایک بڑھتا ہوا اضطراب وہ دیکھتی اور سمجھتی تھی۔ وہ ایک عورت تھی! ایک ایک لمحہ، ایک

ایک گھنٹہ، ہر روز، ہر ہفتہ بدستور وہی اضطراب وہ دیکھتی تھی اور خود بھی اندر ہی اندر مضطرب ہو اُٹھتی۔

باہر سردی سے کانپتا اور کھانستا ہوا وہ بے چارہ کتنا بدنصیب ہے!

وہ اپنی خواہش تک کا اظہار نہیں کرتا۔ پھر بھی اُسے دبانے کی ناکامی اور پریشانی کو چروتا سمجھتی...... کیوں نہ ذرا بلا کر اندر ہی سونے کے لئے کہے! بے چارہ اندر سردی سے بچ کر آرام سے سو تو سکتا ہے۔ محنت کر کے کما کر سب کچھ لا کر دیتے، پھر بھی بے چارے کو رات کی ٹھنڈ میں باہر ہی سونا پڑتا ہے...... بے چارا اُس دن کے انتظار میں دن گذار رہا ہے جب وہ اندر آ کر سو سکے گا...

... نہیں وہ ایک پرتن کی بیوی ہو چکی ہے۔ اب دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔

چاتن بھی سوچتا ہے۔ چروتا ایک ہی کی ہو چکی ہے۔ اس سے وہ پوری طرح مطمئن ہے۔ اگر وہ اپنی زندگی یوں ہی خاوند کے تصور میں گذارنا چاہتی ہے تو یہ مناسب ہی ہے۔ لیکن کورن نے اس کے ہاتھ میں جو سونپ دیا۔ پھر بھی جیسا کہ چرزنلے کہا خاوند کو کیا حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے کو سونپ دے۔ بیوی کی بھی اپنی خودداری اور اپنا حق ہے نا؟ شاید وہ اُسے (چاتن کو) پیار نہیں کرتی ہو گی؟ پھر بھی وہ اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر چکا ہے۔

چاتن جان بوجھ کر زور سے کھانسا۔ اندر سے چروتا کے بھی کراہنے کی آواز آئی۔ وہ سوئی نہیں ہے اُس کی اطلاع دے رہی تھی۔

چاتن نے پکارا "چروتا"؟

"ادن!"

"تم سوئی نہیں ہو ابھی تک ؟"

"نہ ، اچاؔن نہیں سوئے ؟"

"نہ !"

اس طرح گرم آہیں بھرتے بہت دن گذر گئے ۔ چروتا چپ چاپ بیٹھ کر ٹوکری بُنتی تب چاتن حسرت ناک نگاہوں سے اُسے دیکھتا ۔ وہ کیا کیا سوچتی ہوگی؟ کب تک یہ بھائی بہن کا بوجھ ڈھوتے رہنا ہوگا ؟

چروتا بھی کھیتوں کی ہوا میں لہراتے ہوئے دھانوں کی طرف نظر لگائے بیٹھے چاتن کو دیکھتی رہتی ہے ۔ وہ کیا کیا سوچتا ہوگا ؟ یہ انتظار کب تک چلے گا ؟ کئی مرتبہ یہ سوال اور خیال چروتا کے ذہن میں بھی اُٹھا ۔ اس کی خواہش ادھوری ہی رہ جائے گی نہ ؟ ...... پاس بلا کر دکھی نہ ہونے کو کہوں تو ......

کٹناٹ میں جلوس اور جلسوں پر پابندی لگا دی گئی ۔ لیکن کھیت مزدور سنگھ (یونین) نے اس پابندی کو توڑنے کا فیصلہ کیا ۔ یوں یونین کی لڑائی ایک بات کو لے کر بڑھنے لگی ۔

علاقے بھر کے مزدور بیدار ہو گئے ۔ سب نے اس بات کو اپنی ذمے داری سمجھا ۔ کچلا ہوا طبقہ اپنے آپ کو منظم کرنے لگا ۔ ریاست کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ

لہ بھائی کے لئے احترام کا لفظ

ظہور پذیر ہونے کا امکان پیدا ہوگیا۔

یہ افواہ پھیل گئی کہ دھان سے بھرے کھیت باندھ کر توڑ کر پانی میں ڈبو کر برباد کئے جا رہے ہیں۔ اور امیر کسانوں کے گھر لوٹے جا رہے ہیں۔ ہر روز طرح طرح کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ مزدور یونین نے ان افواہوں کی تردید کی۔

پھر بھی مالک لوگوں کا ڈر دور نہیں ہوا۔ جب تک یونین قائم رہے گی، تب تک مالک لوگوں کا ڈر بھی دور ہونے والا نہیں ہے۔ یہ ڈر بلیہر کے مزدوری مانگنے یا اُن میں بولنے کی طاقت پیدا ہونے سے شروع نہیں ہوا۔ لیکن جب وہ منظم ہو کر اپنے مطالبات پیش کرنے لگے اور تکلیفوں کو بیان کرنے لگے جو انہیں برداشت کرنا پڑتی تھیں، تب یوں محسوس ہوا کہ پشت در پشت ان پر جو مظالم ہوئے اور اُن کے ساتھ جو بے انصافیاں کی گئیں وہ بھوتوں کا روپ بھر کر سامنے آ گئی ہیں۔ چاتن، کورن اور اٹیانی وغیرہ کالی کالی شکلوں والے مزدور لوگوں کو اب آدمی معلوم نہیں ہوتے۔ اب وہ مالک لوگوں کے ذریعہ دی گئی اذیتوں کے بھوت جیسے معلوم ہونے لگے۔

وہ ڈر باہر سے نہیں آیا۔ ہر ایک امیر کسان کے دل میں وہ خود بخود اٹھا۔ یوسف اور کرشن پلا بھی آدمی ہی تو ہیں۔ وہ آدمی جن میں شفقت اور ہمدردی کے اوصاف ہیں۔ اشرف المخلوقات انسان گناہ کا یہ بوجھ کب تک ڈھو سکتا ہے؟ اسے پھینک دینے ہی کا زیادہ امکان ہے۔

کسان طبقہ کے لوگ ڈر کے مارے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ گرجوں میں لمبی لمبی پرارتھنائیں جاری کی گئیں۔ مندروں میں خاص پوجا اور ہون یگیہ وغیرہ

بھی کیے گئے تاکہ کمیونزم سے دیس کی حفاظت ہو۔

"دیس کے دھان کے ذخیرے خطرے میں" - "تہذیب و تمدّن خطرے میں"

اس طرح کے نئے نئے نعرے بھی سُنائی دینے لگے۔ امیروں نے سرکار سے پوچھا کہ خطرے کی صورت میں وہ کیا کرے گی۔ وزیر لوگ، جنھیں اُن کی مدد حاصل تھی کوئی جواب نہیں دے سکے۔

یونین نے ایک شاندار مظاہرے کا پروگرام بنایا۔ جیسے جیسے مظاہرے کی تاریخ نزدیک آنے لگی ویسے ہی کٹناٹ کے ندی نالوں میں مسلح پولیس گشت کرنے لگی۔ لیکن کوئی بھی پرین یا پلیئن نہیں ڈرا۔

وہ تاریخی دن بھی آ گیا۔ اس روز گولی چلے گی۔ سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ گویا ہوا بھی بھاری ہو گئی ہو۔ سورج کی کرنوں کے رنگ میں بھی ایک فرق! اس دن نہ معلوم کیا ہو گا!

چروتا کے گھر سے ملٹری کی کشتیاں تیزی سے آتی جاتی دکھائی دیتی تھیں۔ مکمل حاملہ چروتا...... اس کا بھی خون کھولنے لگا۔ کاش! وہ بھی اُس دن کے پروگرام میں حصّہ لے سکتی۔

اگر کورن جیل سے باہر ہوتا تو وہی جھنڈا ہاتھ میں لے کر آگے آگے چلتا۔ سب آوازوں پر اُس کی آواز گونجتی۔ اس کے پیچھے بے شمار کالی کالی شکلیں دکھائی دیتیں!

جیل میں لوہے کی سلاخوں کے پیچھے پڑا کورن کیا یہ سب جانتا ہو گا؟ اس کی یونین کہاں تک بڑھ گئی ہے! اس کے باہر آنے تک یہ کس حالت

میں رہے گی؟ جس یونین کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے وہ اُسے (چر دتا کو) بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اس یونین کی نذر کرنے کے لئے ایک انمول رتن بھی اُسے سونپ گیا ہے۔ وہ تو ابھی اس کے پیٹ ہی میں تڑپ رہا ہے۔

چانن تب بھی فکر میں ڈوبا بیٹھا تھا۔ گویا اس دن کی دھوم دھام اور چہل پہل کے متعلق وہ کچھ جانتا ہی نہ ہو۔ ملٹری سٹیمروں کو دیکھتا ہی نہ ہو، اور جیسے دور سے سُنائی دینے والے مزدوروں کے نعرے بھی اُس کے کان میں نہ پڑ رہے ہوں۔ وہ بھی ایک مظلوم ہلپتن ہے۔ اُس کے دادا، پر دادا سب کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے۔ کیسا ٹھنڈا خون ہے اس کا۔ محنت کش مزدور طبقے نے جب زندگی اور موت کی لڑائی چھیڑ دی ہے تو وہ وہاں بیٹھا کیا سوچ رہا ہے؟ ایک عورت کے متعلق؟

سر جھکائے بیٹھے ہوئے چانن کے متعلق چر دتا کے دل میں اس قسم کے سوال اُٹھ رہے تھے۔ گھاس پھونس کو بھی جگانے اور طاقت عطا کرنے والے نعرے گونج رہے ہیں اور مکمل حاملہ چر دتا کا خون بھی جب کھول رہا ہے، تب کوئی مرد کیسے اس طرح جھک کر اُداس اور بے حس بیٹھا ہوا ہے۔ چاہتا ہے کہ وہ اس طرح بھیگی بلّی کی طرح بیٹھنے والے شخص کی بیوی ہو جائے۔ خاوند نے ایک ایسے ہی شخص کے ہاتھ میں اُسے سونپ دیا ہے۔

اُس نے محسوس کیا کہ چانن کو دھتکار کر باہر نکال دے۔ ایسے آدمی کے ساتھ کیسے نباہ ہو گا؟ کیا وہ اپنا حق سمجھ سکتا ہے، اسے کوئی پکڑ لے جائے تو وہ اپنی کانی اُنگلی تک نہیں اُٹھائے گا۔ کام کر کے مزدوری لینا بھی اُسے نہیں

آئے گا۔ وہ ڈرے گا۔ بھوکا رہے گا! یہ کیسا انسان ہے؟ یہی میرے بچّے کی پرورش کرے گا؟ ......

چروتا نے پوچھا: "آج مظاہرے کے میدان میں نہیں جاتے؟"

"نہیں"۔ بس اتنا ہی چاتن کا جواب تھا۔

چروتا نے آگے کہا: "لیکن سب مرد گئے ہیں۔"

"ہاں، گئے ہیں۔ مجھے کام ہے۔ مرنے کا ڈر نہیں ہے۔ مجھے تو مرنا ہی زیادہ پسند ہے۔ لیکن میرے اوپر ایک بچّے کو پالنے کی ذمّے داری ہے۔ اس کی ماں کی بھی دیکھ بھال کرنی ہے۔"

اِن الفاظ نے چروتا کو بے حد متاثر کیا۔ اس سے کچھ کہتے نہ بن پڑا۔ وہ اتنا ہی بولی: "وہ بچّہ یونین کے لئے انمول رتن ہوگا۔ اُسے بچانا ہے۔ میں مر جاؤں گی تو وہ بھی مر جائے گا۔"

اس گفتگو میں چروتا کو جھکنا پڑا۔

اُس دن دردِ زہ شروع ہو گیا۔ پاس کے کسی بھی گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اس کے رونے کی آواز دردناک رلائی میں بدل گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ رلائی بھی بڑھتی گئی۔

چاتن بے قرار و پریشان باہر اِدھر سے اُدھر گھوم رہا تھا۔ گاہے گاہے وہ چروتا کو پکارتا۔ اسے جواب دینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ پھر بھی چاتن کے

اطمینان کے لئے وہ 'اوں' کہہ دیتی۔

تخلیق کی تکلیف۔ اتنی خوفناک۔ یہ چرونتا نے نہیں سوچا تھا۔ وہ ضبط کے ساتھ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔

چانن نے کئی بار اندر جانا چاہا۔ لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ وہ کب تک کھڑا کھڑا یہ آہیں اور کراہیں سُن سکتا ہے۔

رولائی مدھم پڑتی گئی اور رفتہ رفتہ بند ہو گئی۔ ایک دم خاموشی۔ تکلیف میں سانس لینے تک کی آواز نہیں۔ چانن نے پُکارا۔ جواب نہیں۔ چانن گھبرا کر اندر گھس گیا۔

اُدھر مظاہرے کے میدان میں بڑے زوروں کا شور و غل ہوا۔ اور مسلسل گولی چلنے کی آواز سُنائی پڑی۔ وہاں بھی تخلیق کا...... تخریب کا نہیں...... دردِ زہ ہے۔

بارود کے پھٹنے کی آواز جتنی اونچی اٹھتی ہے گویا اُتنی ہی اونچی آواز میں روتے ہوئے ایک بچّے کا جنم اِدھر ہوتا ہے۔

بچے کا سر زمین پر نہ لگے، اس خیال سے چانن نے اپنا ہاتھ نیچے رکھ دیا۔ چھٹپٹاتا ہوا بچہ نکل آیا اور نکلتے ہی وہ کانپنے اور چلّانے لگا۔

بچّے کی چلّاہٹ کے کچھ معنی ہیں۔ وہ دنیا کو جتا دینا چاہتا ہے کہ وہ بے پناہ طاقتوں کا مجموعہ ہے۔

۲۵

منڈاہرے کے میدان میں جو گولی چلی اُس سے خون کی ندی بہ نکلی ۔ علاقہ بھر میں سنسنی پھیل گئی ۔ اس مجموعی قتل و ہلاکت سے سماج کا ضمیر بلبلا اُٹھا ۔ دوسرے ہی لمحہ چاروں طرف سے آواز آئی ۔ " یہ نہیں ہونا چاہیے تھا "

وزیروں نے بھی محسوس کیا کہ اس کی ذمّے داری اُن پر ہے ۔ بہت کوشش کرنے پر بھی وزیر لوگ اس خیال کو نہیں دبا سکے ۔ دیس اُنس کی جواب طلبی کر سکتا ہے ۔ تب جواب تو دینا ہی ہوگا ۔

اس وحشیانہ خونریزی کے متعلق جب پوچھا گیا تو پہلا سوال یہ تھا ۔

" کتنے مرے ؟ "

" کافی تعداد میں چاروں طرف گولی چلائی گئی ۔ وہاں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ جمع تھے ۔" یہی سرکار کا جواب تھا ۔

" گولی کیوں چلائی گئی ؟ " یہ دوسرا سوال تھا ۔ " کیا گولی چلائے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا ؟ "

"لوگ مرنے کے لئے کیوں تیار ہو گئے؟"

ایسے کتنے ہی سوال اسمبلی میں چاروں طرف سے پوچھے گئے جن سے سرکار کو امداد کی اُمید تھی اُن میں سے بھی کبھی غیر متوقع سوال پوچھ بیٹھے۔

جو مارے گئے آخر سب آدمی ہی تو تھے؟ اور آدمی ہی نے خون کی ندی بھی دیکھی۔ لیکن ذاتی مفاد اپنی انتہائی کوشش کے باوجود عوام کے مجموعی جذبہ کو کچل نہیں سکتا۔

آج انسان کو جو انسانیت نصیب ہوئی ہے وہ مجموعی زندگی ہی کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو اچھے اصولوں میں باندھ دیتا ہے۔ وہ بھی کسی خود غرضی کی وجہ سے نہیں۔ انسان ذاتی مفاد کے لئے ایک ایک کر کے کروڑوں کا خون کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتا۔ لیکن وہی ایک ہی وار میں ہزاروں کے خون کا نظارہ برداشت نہیں کر سکتا۔ دراصل انسان نیک اوصاف والا ایک جانور ہے۔ انسان کی نیک فطرت میں یقین کیا جا سکتا ہے۔

وزیروں نے سوالوں کی اس بوچھار کا کسی طرح کچھ جواب نہیں دیا۔ مزدوروں کے مفاد کی حفاظت کو اُنھوں نے ہمیشہ مدِ نظر رکھا ہے لیکن تخریبی ڈھنگ سے کلتاٹے کی پُر امن عام زندگی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے یونین کے کام کو دیکھ کر وہ چپ نہیں رہ سکتا تھا۔

شکست خوردہ شخص ٹھیک جواب نہ دے سکنے کے باعث عام طور پر جو ان مانا جواب دیتا ہے، ویسا ہی اُن کا جواب تھا۔

لیکن اس جواب سے کوئی بھی مطمئن نہیں ہوا۔ باتیں چھپانے کی کوشش

اور جواب دینے میں بے بسی صاف ظاہر تھی۔ وزیروں کی بے بسی!..... نہ، عام جنتا وزیروں کو یوں چھوڑ دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ ایسی حالت پیدا ہو گئی کہ کہیں لوگ یہ نہ کہہ اُٹھیں کہ سرکار نے جو حرکت کی ہے وہ ایک بے رحمانہ قتلِ عام کے مترادف ہے۔

کسانوں اور زمینداروں نے اپنے اپنے اخباروں میں اس واقعہ کو رنگین نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ جو مزدور مارے گئے تھے اُن کے لئے ہمدردی کا اظہار کیا گیا، اُن کے لئے گرجوں میں دعائیں مانگی گئیں لیکن اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ اس قتل وغارت کے لئے یونین کے لیڈر ہی ذمّے دار ہیں۔ اس منطق کے ذریعے سرکار اپنے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈنے لگی۔ یونین کے جو لیڈر بچ گئے تھے اُن کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے گئے۔ کچھ لوگ گرفتار کر لئے گئے۔

اس کا اثر مزدور طبقہ کو اور بھی زیادہ بیدار کر دینے والا ثابت ہوا۔ اُن کی طرف سے گولی چلانے والوں کو خاطر خواہ سزا دینے کا مطالبہ ہوا۔ کٹناٹ کا یہ خونی منظر جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اُن کا خون انتقام کے لئے کھول اٹھا۔

وزارت اور کسان زمیندار طبقے کو سٹیٹ کانگرس کے ممبروں سے مدد مانگنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سارے علاقے میں زبردست پرچار شروع کر دیا گیا۔

کٹناٹ کے چھوٹے کسانوں نے بھی اس دن گولی چلنے کی دلدوز آواز سنی تھی۔ مظاہرے کے میدان میں اپنی آنکھوں کے سامنے موت کی اذیت کا

دردناک منظر دیکھا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں طبقاتی بیداری کا نعرہ حق سنا تھا۔ دوسرے دن بہتوں نے خون کی ندی بھی بہتے دیکھی تھی۔ اس منظر کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

علاقہ کی موجودہ حالت پر غور کرنے کے لئے کٹناٹ علاقائی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس میں سب چھوٹے کسانوں نے شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ بنا شریک ہوئے وہ رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

کٹناٹ کے ایک سرکردہ زمیندار کانفرنس کے صدر تھے۔ ترنگے جھنڈوں سے سجائی ہوئی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں صدر کا استقبال کر کے ایک بڑے جلوس کے ساتھ اُنھیں کانفرنس میں لایا گیا۔ مظاہرے کے میدان کی بغل میں بہنے والی ندی میں اہنسا اور پریم کا اپدیش دینے والے لوگ جب کشتی کا گیت گاتے ہوئے آگے بڑھے تو گویا سب جھنڈے جھک کر ششدر رہ گئے۔ کشتیوں میں کھڑے کسان آقاؤں کو محسوس ہوا کہ کشتیوں کے اس جلوس میں جوش نہیں ہے۔ کشتیاں تیزی سے نہیں چل رہی ہیں، ایک طرح کی مُردنی سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اُنھوں نے زور سے پاؤں پٹک کر تال کی رفتار کو تیز کرنا چاہا لیکن ملاح اس تال کا ساتھ نہیں دے سکے۔ تال بے تال ہو گئی۔ ملاحوں کے چپو آپس میں ٹکرا گئے۔

اکثر لوگوں کو جشنِ آزادی کی یاد آئی۔ اُس دن کیسا جوش تھا! کشتیوں کے جلوس میں کیسا لطف تھا! کیسی تال کے ساتھ کشتیاں چل رہی تھیں۔ اس دن کٹناٹ کے مضبوط پریرا اور ملیپرے نے اُنھیں چلایا تھا۔ آج وہ کہاں ہیں؟ ان

نیک دل با عتبار کالے بھائیوں کو زندگی سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا۔ وہ طبقہ ہی گویا مجموعی زندگی سے خارج تھا..... لولی لنگڑی زندگی !...... یہ ناقابلِ برداشت تھا!!

اُدھر کنارے پر آباد چھوٹی چھوٹی جھکی ہوئی جھونپڑیاں سُنسان اور اُداس دکھائی دیتی تھیں۔ سب کے سب اس جلوس کو دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ گئے تھے۔ پلستر اور پر تر کے بغیر کنٹاٹ کی زندگی کیسی ہوگی؟ یہ چونکانے والا خیال تھا۔

سٹیٹ کانگرس کی گذشتہ شان و شوکت کے تذکرہ سے کانفرنس کی کارروائی شروع ہوئی۔ صدر کی تقریر ہوئی جس میں سامراج شاہی کے خلاف کانگرس کی جدوجہد کی کہانی بیان کی گئی تھی۔ اس کے بعد مقرر دھواں دھار ڈھنگ سے کیا کیا بولتے رہے! ایسا محسوس ہوا کہ انھوں نے یہ بتلانے کی کوشش کی کہ سٹیٹ کانگرس کیوں قائم ہے؟ جلسہ میں آگے بیٹھے ہوئے لوگوں نے خوب تالیاں پیٹیں۔

ایک دوسرے مقرر نے جو ایک سرکردہ کسان تھے، اس موضوع پر تقریر کی کہ موجودہ وزارت تراونکور ریاست کی کن کن باتوں کی ترقی کے لئے کوشش کرے گی۔

ایک بوڑھے نے اُٹھ کر دریافت کیا۔ "اب تک کیا کیا ہے؟"

یہ سوال سامعین کو دلچسپ معلوم ہوا۔ جلسہ میں تازگی آگئی! ایک ایک کو بہت سے سوال پوچھنے تھے۔ وہ سوال قومی بیداری یا سٹیٹ کانگرس میں عقیدت کم ہو جانے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ نہ اُن کے پیچھے مارکسزم کی تحریک کارفرما تھی۔

جس کی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے کہ وہ ایک بدیسی ازم ہے۔ وہ سوال تو تجربے اور ٹھوس حقیقت سے پیدا ہوئے تھے۔

صدر نے لوگوں کو خاموش رہنے کے لئے کہا۔ جلسہ میں خاموشی چھا گئی۔ مقرر نے کٹناٹ کے کسانوں اور بلیپّر کے درمیان صدیوں سے چلی آنے والی رواداری کا ذکر کیا۔ بلیپّن کیسا بھلا تھا۔ قابلِ اعتبار تھا، ثمر کی خواہش کئے بغیر ہی چپ چاپ اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ یہ سب باتیں بیان کرتے کرتے انھوں نے جوش میں آکر کہا "خاموش رات کے صاف نیلے آسمان کو دیکھتے ہوئے مجھے کئی مرتبہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان پر چھٹکے ہوتے یہ بے شمار تارے بلیپّر اور پرُر کی جھونپڑیوں سے سدھارے ہوئے کرم یوگیوں کی آتمائیں ہیں۔ ہاں، اس میں کچھ تعجب نہیں ہے کہ ثمر کی خواہش کئے بغیر ہی اپنے فرض کو پورا کرنے والے ان کرم یوگیوں، (باعمل انسانوں) کے وطن کو ہی گیتا کی ماتا ہونے کا فخر حاصل ہے۔" جلسہ میں آگے بیٹھنے والوں کی تالیاں پھر گونج اٹھیں۔

مقرر نے حال کا ذکر شروع کیا۔ یہ راستہ خطرناک تھا، اُسے یہ معلوم تھا۔ اس کا خیال بڑی چالاکی سے آگے بڑھنے کا تھا۔ جمع شدہ سامعین میں جو تین چوتھائی چھوٹے کسان تھے، انھیں مخاطب کرکے یگانگت جتاتے ہوئے انھوں نے کہا:
"پاکنّار اور ولّوونار[1] کی اولاد نے آج اس آدرش کو بھلا دیا ہے۔ کتنے دکھ

---

[1] پاکنّار اور ولّوونار پریا قوم میں دو مقدس ہستیاں ہو گذری ہیں۔ ولّوونار کلّن اپنے دو بغیر منہ کی پہاڑی کے دیوتا) نام سے آج بھی ہر ایک مندر میں پوجے جاتے ہیں۔ یہ اپنے ماں باپ کے بارہ بیٹوں میں سے آخری دو تھے۔ منہ والا ہونے کے باعث

کی بات ہے! آج کیا ہو رہا ہے۔ قرض کی ادائیگی کا پھل مانگتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، حساب بھی بتلاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس طبقے نے جو کبیر لے، تمدن کا نمائندہ ہے، اپنے بنیادی وصف کو چھوڑ دیا ہے۔"

کسی نے بھی تردید نہیں کی۔ اُنھوں نے چھوٹے کسانوں کی حالت کا ذکر شروع کیا۔ ان کی تکلیفوں، ان کے قرض کا بوجھ وغیرہ کئی باتوں کے سلسلہ میں اُنھیں کہنا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: "سٹیٹ کانگرس نے اُن غریب کسانوں کی حالت سُدھارنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے وہ قائم ہے۔ وہ تسلیم کرتی ہے کہ دیس کا دھن دولت اُنھیں کا ہے۔ اِن چھوٹے کسانوں سے جو قرض کے بوجھ کے باعث کھیتی بھی ٹھیک ڈھنگ سے نہیں کر سکتے، مزدوری بڑھانے کا جو مطالبہ کیا جا رہا ہے، یہ دیکھتے رہنا سٹیٹ کانگرس کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اس کا علاج ......"

فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا: "اس کے لئے صدر اور آگے بیٹھے ہوئے زمیندار لگان کی ساری رقم چھوڑ دیں۔"

مقرر سٹپٹا گیا۔ لوگ اور بھی کتنے ہی سوال اور تجاویز پیش کر کے خوش ہونے لگے۔

(بقیہ) باپ ہر بیٹے کو پیدا ہوتے ہی پھنکوا دیتا۔ اُنھیں دوسروں نے پرورش کیا، پاکنار کی پرورش ایک پلیا گھرانے میں ہوئی۔ جب بارھواں لڑکا پیدا ہوا تو بیوی نے اُسے اپنے پاس رکھنے کے خیال سے کہہ دیا کہ اس کے منہ نہیں ہے۔ بعد کو وہ نکلا بھی گونگا۔ کہتے ہیں کہ باپ کے انتقال کے بعد بارھوں بھائی شرادھ کے لئے ہر سال جمع ہوتے تھے، اور جس سے جو بن پڑتا تھا شرادھ کے لئے لاتا تھا۔

جلسہ گاہ میں شور و غل مچ گیا۔ صدر بہت چلایا، بہت ہاتھ ہلائے لیکن لوگوں کو خاموش کرنے میں قاصر رہا۔ مقرر نے ذاتی جائداد کے تقدس کو ذہن نشین کرانے کی ناکام کوشش کی۔ اچانک جلسے میں سے ایک آدمی کود کر پلیٹ فارم پر چلا گیا اور اس نے چلا کر کہا:۔

"مظاہرے کے میدان میں جو لوگ گولیوں سے شہید ہوئے ہیں اُن میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بے چارے مظلوم انسان! تھوڑے سے اِنے گِنے لوگ اُن کا خون ہمارے ذریعے چوس کر موٹے ہو رہے ہیں۔ اس کے بدلے ہمیں ایک جھوٹی تسلی دی جاتی ہے۔ اب اُس خون چوسنے والے طبقہ کی تنظیم کے طور پر سٹیٹ کانگرس کے قائم رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

یہ سرکار سے بغاوت تھی۔ کیا اس قسم کی باتیں ہونے دینی چاہئیں۔ صدر نے جلسہ برخاست ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس آدمی نے اپنی تقریر بند نہیں کی۔ وہاں جو لوگ جمع تھے وہ تقریر سننے کے لئے بے تاب تھے۔

صدر، سامنے کی قطار میں بیٹھے ہوئے دس ہنڈرن آدمی، چار سنیاسی اور تین پادری، سب اُٹھ کر چلے گئے۔ جلسہ کی کارروائی بدستور جاری رہی۔ جلسہ میں ایک قرارداد پاس کر کے یہ مطالبہ کیا گیا کہ مظاہرہ کے میدان میں گولی چلانے والوں کو خاطر خواہ سزا ملنی چاہیئے۔

سٹیٹ کانگریس کے سب ممبروں کو عوام نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وزارت ٹوٹ گئی۔ صرف یہی نہیں۔ قاتلوں پر کھُلی عدالت میں مقدمہ چلانے کا بھی فیصلہ ہو گیا۔

۲۶

وہ محنت کش طبقہ اتنی جلدی مجموعی زندگی سے خارج نہیں ہو سکتا، اس طبقے کی جڑ کے مہین ریشے زندگی کے ہر شعبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طبقے نے اپنے مفاد کو قائم رکھنے کے لئے جان بوجھ کر اس پورے سماج کو منظم کیا ہے۔ اُسے یوں مٹا دینا آسان نہیں ہے۔

علاقہ کی عام زندگی میں ایک تبدیلی آ گئی۔ عام لوگوں کے مطالبے منظور کر لینا ضروری ہو گیا۔ عوام زمینداروں اور امیروں کی بات یونہی ماننے کو تیار نہیں تھے۔

ایک واضح طبقاتی جدوجہد نے جو شکل اختیار کی وہ طبقوں سے مبرّا سماج کی تعمیر کا مقصد لے کر آگے بڑھ رہی ہے، اُسے بڑھایا جا رہا ہے۔ وہ آخری بغاوت کی منزل کے قریب پہنچ رہی ہے۔

کئی سال گذر گئے۔ چرو تا کے گھر میں اگر چا تو۔ کم کھاتا ہے تو بچّہ اپنی غیر واضح

توتلی زبان میں کہتا ہے : "ماما نہیں کھاتا" "کیوں امی، ماما کو پیار نہیں کرتی؟"

اگر چاتن جواب نہ دیتا تو اُس کی بھی کچھ دوسری وجہ تھی۔ اُس کے بے شمار سوالوں کا، جن کا جواب نہیں دیا جا سکتا، جواب نہ دیتا تو بھی وہی شکایت۔ یہ بچے کے چھوٹے سے دماغ میں کون جانے کیسے گھُس گیا۔ جیسے بھی ہو وہ جان گیا۔ چرو تا اُسے روک نہیں سکی۔ اُسے شبہ ہونے لگا، بچے کا کہنا ٹھیک ہے کیا؟ ہو سکتا ہے۔ لیکن اِس رشتے کو، جیسا وہ تھا، اُس سے زیادہ گہرا وہ کیسے بنا سکتی ہے؟

چاتن اس کا محافظ ہے۔ بھگوان ہی ہے۔ اُس جیسا ایک آدمی اُس کی زندگی میں نہ آیا ہوتا تو اُس کا اور بچے کا گذارا کیسے ہوتا؟ اس بچے کے لئے چاتن ماما اور باپ سب کچھ ہے۔ پہلے پہل اُسے چاتن ہی نے ہاتھ میں لیا تھا۔ بچے کی اپنی زندگی میں سب سے پہلے سوچنے کے لئے اور کون ہے؟

چرو تا چاتن کی احسانمند تھی۔ چاتن کے علاوہ اُس کو آسرا دینے والا اور کون تھا؟ چاتن کی ذرا بھی طبیعت خراب ہوتی یا وہ لوٹنے میں دیر کر دیتا تو وہ بے قرار ہو اُٹھتی تھی۔ چاتن کو تندرست رکھنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔

چاتن کی محبت کا اُسے پورا یقین ہے۔ لیکن اس کے عوض خود اُس نے محبت نہیں دی ہے۔ اگر اس کا بدلہ دیا جا سکتا تو...... لیکن اِس جنم میں وہ ہو سکے گا کیا؟

اس زندگی کا انجام کیا ہوگا، یہ بھی چرونتا نے سوچ لیا ہے۔ کچھ سال کے بعد جب ٹیلیتّا ــــ بچّے ــــ کا باپ لوٹ آئے گا تب بھی وہ ماما کو نہیں چھوڑے گا۔ لیکن ماما کیا اپنے کو اس کی گرفت میں رہنے دے گا؟ وہ اپنے کو اُس سے چھڑا کر چلا جائے گا۔ تب؟ ...... تب اُس گھر سے اس کا کیا ناطہ رہ جائے گا؟

چاتن کی ساری زندگی پانی میں کھینچی گئی لکیر کی مانند ہے۔ گویا اُس نے کچھ کیا ہی نہ ہو!

جس نے اُس کے اور اُس کے بچّے کے لئے اپنی زندگی کو قربان کر دیا۔ کیا اس کی زندگی کو سونی ہی رہنے دینا ٹھیک ہوگا؟

کورن لوٹ آنے پر پھر اُسے قبول کرے گا؟ وہ اُسی کے انتظار میں بیٹھی رہی ہے، کیا اس بات کا وہ یقین کرے گا؟

اگر وہ ایک لفظ بھی کہہ دے تو چاتن کی یاس انگیز زندگی ایک لمحہ میں بدل جائے گی ...... کئی بار وہ لفظ کہہ ڈالنے کی اس کی خواہش بھی ہوئی، لیکن یہ لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا اور وہ ٹلتا گیا۔

ایک دن چاتن نے چرونتا سے کہا: "میں نے ایک بات سوچی ہے چرونتا!" چاتن نے کچھ طے کیا ہے۔ چرونتا گھبرا اٹھی۔ وہ کیا ہے، یہ پوچھنے کی اُس کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔

چاتن نے مزید کہا: "اب بچّہ بھی چار یا پانچ سال کا ہو گیا ہے۔ تم بھی کام کر سکتی ہو۔ کورن بھی دو تین سال کے اندر رہا کر دیا جائے گا۔ میں نے اب

تک یونین کے لئے کچھ نہیں کیا ہے ...."

چرِ وتا طے نہیں کر سکی کہ کیا جواب دے، اس کی زبان بند تھی۔

ایک لفظ کہہ دینے ہی سے چاتن اپنا ارادہ بدل دیتا۔ ہاں، زندگی میں تھوڑا بھی سکھ .... ہائے! لیکن اس وقت بھی چرِ وتا کے منہ سے وہ لفظ نہیں نکلا۔ چاتن نے شاید اس کی اُمید کی ہو گی۔

چاتن نے بیلتا سے بھی کہا۔

بچے نے کہا کہ ماما جاتا ہے تو اُسے بھی لے جائے۔

چرِ وتا نے رُک جانے کو کہا۔

چاتن نے کہا:۔ "کیوں رُکنا چاہیئے؟"

اس کے جواب میں چرِ وتا نے پھر رُک جانے کو کہا۔

چاتن کو محسوس ہوا کہ چرِ وتا رُک جانے کے لئے کہتے وقت ذرا مسکرا رہی تھی۔

اس رات کو اس گھر کے چھپر سے چاک گان[1] کے گائے جانے کی آواز باہر کے وسیع کھیتوں میں پھیل گئی۔ ایک نامراد عاشق کا دل اُمید کی ایک معمولی گرم کرن سے بھی کھل اُٹھتا ہے۔ چاتن پُر امید ہو گیا۔

لیکن اُدھر اندر ایک عورت کا دل تذبذب کے اضطراب کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ اس تاریکی سے وہ خاموش زبان میں کتنے سوال پوچھ رہی تھی۔

پھر اسی تذبذب کی حالت میں دن گذرنے لگے۔

---

[1] چاک (رہٹ) چلا کر کھیت سے پانی نکالتے وقت گایا جانے والا گیت۔

کنٹاٹ کے مزدور سنگھ (یونین) اور سٹیٹ کانگرس نے مل کر کام کی ایک لمبی چوڑی تجویز بنائی یعنی عوام کے سامنے ایک ٹھوس پروگرام رکھا۔ اس کے مطابق جب کام شروع ہونے والا تھا اس دن پھر چاتن نے چردتا سے وداع ہونے کی اجازت مانگی۔

چردتا میں وداع کرنے کی سکت نہیں تھی لیکن ......،

مُیلتا نے ماما سے اُسے بھی ساتھ لے جانے کو کہا۔ وہ ماما کے گلے میں بازو ڈال کر رونے لگا۔ چاتن اُسے گود میں لے کر آنسو بہاتے ہوئے اس کا منہ بار بار چومنے لگا۔ پھر اچانک اُسے نیچے بٹھا دیا' اور اُسے یونہی چلاتا ہوا چھوڑ کر چلا گیا۔

کچھ دور نکل جانے کے بعد بھی چاتن کو محسوس ہوا کہ بچّے کے رونے کی آواز سُنائی دے رہی ہے۔ لیکن اُس نے گھوم کر دیکھا تک نہیں۔

چاتن سیدھا یونین کے کیمپ میں چلا گیا۔ داڑھی بڑھائے ہوئے ایک آدمی سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ پہلے اُس آدمی کو وہ پہچان نہیں سکا۔ داڑھی کے بیچ سے ایک جانے پہچانے آدمی کی ہنسی کِھل اُٹھی۔

وہ کورن تھا۔ چاتن ساکت وسامت کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ اُسے کچھ بھی نہیں سُوجھا۔ وہ پتھّر کے مجسمے کی طرح بے حس کھڑا تھا۔ اُسے کیا کیا کہنا تھا! کورن کو کسی طرح کی بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔

اس نے پوچھا "میرا بچّہ کیسا ہے چاتن؟"

چاتن کو محسوس ہوا "یہ کہتا ہے میرا بچّہ کیسا ہے" لیکن جواب دے دیا۔

"اچھا ہے۔"

"چرودتا؟"

"اچھی ہے۔"

"تمھارے کتنے بچے ہیں؟"

"ایک بھی نہیں نہیں، ایک بھی نہیں۔" چاتن کی آنکھیں بھر آئیں۔

"تو ردتا کیوں ہے رے چاتن؟ کیا ہوا؟"

پیچھے سے "ماما، ماما" پکارنے کی آواز آئی۔ چاتن نے گھور کر دیکھا۔ تب بُلیتا اس کے پاس پہنچ کر اس کی گود میں چڑھنے لگا۔ چاتن نے اُسے اُٹھا لیا۔ بُلیتا ماما کے کندھے پر سر رکھ کر مطمئن ہو گیا۔

کورن نے چرودتا کو دیکھا اور چرودتا نے کورن کو۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ کچھ لمحے خاموشی کے گذرے۔ چرودتا کو شبہ ہوا کہ خاوند نے اُسے پہچانا کہ نہیں۔ کورن کو شبہ ہوا کہ چرودتا نے اُسے پہچانا یا نہیں۔ دونوں بولنے سے قاصر تھے۔ چرودتا کو بہت کچھ کہنا تھا لیکن منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ اس نے چاتن سے یہ سوال پوچھتے ہوئے سُنا تھا "تمھارے کتنے بچے ہیں؟"

اب کیا کہنا چاہیے، یہ بنا جانے کورن بھی چپ کھڑا رہا۔

چاتن نے کہا: "میرے بھانجے، تو اپنے باپ کو دیکھ!"

بُلیتا نے کورن کو دیکھا۔ وہی اس کا باپ تھا جو جیل گیا ہوا تھا۔

کورن نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

بُلیتا اس کے بازوؤں سے نکل کر باپ کے سینے سے چمٹ گیا۔ نہیں...

..... چاتن نے ہی اُسے سونپ دیا۔

اُس وقت چاتن کو نہ جانے کیا سوجھا۔ اچانک اُس نے چروتا کا ہاتھ پکڑ کر کورن کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور غیر معمولی مردانگی اور صداقت سے معمور بولا:۔ "ہم بہن بھائی ہیں۔"

چروتا لڑکھڑاتی ہوئی کورن کے بازوؤں میں جا گری۔

دوسری طرف نعرے گونج اُٹھے ———

"انقلاب .... زندہ باد!"

"مزدور سنگھ .... زندہ باد!"

بُلیتا بھی مٹھی بند کر کے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ ہلا کر چلا یا:۔

کھیت کس کا؟ .... جوتنے والے کا!"